امارت اسلامیہ افغانستان کا واحد ترجمان

ماہنامہ شریعت

اردو

جلد 1 ربیع الثانی 1434ھ بمطابق مارچ 2013ء شمارہ 12

بہت بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے

افغانستان میں امریکی فوجیوں کی کمی کے اوباما اعلان پر
امارت اسلامیہ کا ردعمل

ماہنامہ شریعت آغاز اور سال کا سفر

خواتین ، مغرب اور اسلام

کامیابی کا ایک سال

اگر ایک فوجی بھی موجود رہا

ایک گہری سازش

چند لمحات قندہار مجاہدین کے ساتھ

فرمان نبی کریم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

عَنْ عَیَاض ِ بْنِ غُنْمٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ مَنْ اَرَادَ اَنْ یَنْصَحَ لِذِیْ سُلْطَانٍ بِاَمْرٍ فَلَایَبْذُلْہٗ عَلَانِیَۃً وَلٰکِنْ لِیَاخُذْبِیَدِہٖ فَیَخْلُوْبِہٖ فَاِنْ قَبِلَ مِنْہٗ فَذٰلِکَ وَاِلَّا کَانَ قَدْاَدّٰی الَّذِیْ عَلَیْہٖ۔ [رواہ احمد]

ترجمہ: سیدنا عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی صاحب حکومت کو کسی بات کی نصیحت کرنا چاہے تو اس کو چاہئے کہ اعلانیہ [دوسروں کے سامنے] نصیحت نہ کرے بلکہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر تنہائی میں اپنی بات اس کے سامنے رکھے۔ پھر اگر وہ اس کو قبول کرلے تو فبہا [یعنی مقصد حاصل ہوگیا] اور اگر اس نے نصیحت قبول نہ کی تو اس نصیحت کرنے والے نے اپنا فرض ادا کردیا۔

یعنی حکمت نصیحت کا تقاضا یہ ہے کہ خاص کر اہل حکومت اور اصحاب وجاہت کو نصیحت ان سے تنہائی میں ملاقات کرکے کی جائے یہ طرز عمل مخاطب کے دل میں یقین پیدا کرتا ہے کہ نصیحت کرنے والا مخلص اور میرا خیر خواہ ہے۔

اور اگر اچھی بات کے قبول کرنے کی صلاحیت سے اس کا دل بالکل خالی اور محروم نہیں ہے تو قبول کرنے کی پوری امید ہوتی ہے اس کے برخلاف اعلانیہ اور دوسروں کے سامنے نصیحت میں وہ اپنی توہین محسوس کرسکتا ہے۔ اور اس کا رد عمل بہت برا بھی ہوسکتا ہے۔ رازدارانہ خط وکتابت کے ذریعے نصیحت کرنا بھی تنہائی کے ملاقات ہی کے حکم میں ہے۔

امارت اسلامیہ افغانستان کا واحد ترجمان

اردو ماہنامہ

شریعت

جلد 1 ربیع الثانی 1434ھ بمطابق مارچ 2013ء شمارہ 12

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ شریعت امارت اسلامیہ افغانستان کا اردو زبان میں واحد اور باضابطہ دینی، ثقافتی اور سیاسی مجلہ ہے، جو امارت اسلامیہ کے میڈیا ونگ اور ثقافتی کمیشن کی زیر نگرانی شائع ہوتا ہے۔ ماہنامہ شریعت افغانستان میں جاری کشمکش، حالات و واقعات اور مظلوم مسلمانوں پر روا رکھے جانے والے بھیانک مظالم کا سچا اور چشم دید عکاس ہے۔

مدیر اعلیٰ: ولید افغان

نائب مدیر: سلیمان غوری

مجلس مشاورت

- ملا اسد افغان
- شمس ابدالی
- ہارون بلخی
- فرہاد ہروی
- استاد فریدون

عکس درون

* بہت بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے۔ 2
* افغانستان میں امریکی فوجیوں کی کمی کے اوباما اعلان پر امارت اسلامیہ کا رد عمل 3
* ایک گہری سازش۔ 4
* ماہنامہ شریعت آغاز اور سال کا سفر 7
* مالی پر مغربی یلغار 9
* خواتین، مغرب اور اسلام۔ 12
* کمانڈر مولانا حضرت محمد مجاہد شہید رحمہ اللہ کا ذکر خیر 19
* جنگی جرائم {جنوری 2013}۔ 21
* کامیابی کا ایک سال 22
* تخار کی جہادی سرگرمیوں پر ایک نظر 23
* صدی کی سب سے بڑی جنگ 25
* چند لمحات قندھار مجاہدین کے ساتھ 26
* افغانستان {جنوری 2013} 28
* اگر ایک فوجی بھی موجود رہا 34
* روس کے خلاف جنگ، اپنی یا غیروں کی؟ 35
* افغانستان میں امریکی فوجیوں کی موجودگی سے متعلق اوباما کا فیصلہ کتنا معقول ہے؟ 39
* مذاکرات کی مہم میں تیزی 41
* ہاں! یہ وہی سحر ہے 42
* ربیع الاول میں ہونے والی کارروائیوں کا جدول 44

ڈیزائننگ: سلمان بدر

رابطہ کے لیے برقی پتہ:
shariatmagazine@yahoo.com

انٹرنیٹ ایڈیشن ملاحظہ کیجیے:
www.shahamat-urdu.com

قیمت فی شمارہ: 30 روپے

سالانہ زر تعاون: 350 روپے

سالانہ زر تعاون

امریکہ، آسٹریلیا، افریقہ اور یورپی ممالک........40 ڈالر

سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات........30 ڈالر

بنگلہ دیش........28 ڈالر

اداریہ

مدیر اعلیٰ

بہت بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے

9 اور 10 فروری کو افغانستان میں بچی کچھی 66 ہزار شکست خوردہ غاصب امریکی فوج نے افغانستان سے فرار کا آغاز کرتے ہوئے چمن اور طورخم کے سرحدی راستوں سے فوجی ساز وسامان سے لدے ہوئے پچیس پچیس کینٹینرز افغانستان میں امریکہ کے سب سے بڑے اڈے باگرام سمیت دیگر سینکڑوں فوجی اڈوں سے روانہ ہو کر دونوں سرحدوں پر پاکستان کسٹم کے معائنے اور اجازت نامہ کے منتظر کھڑے تھے۔اطلاعات کے مطابق امریکی بھگوڑے فوج کو ہزاروں فوجی گاڑیوں سمیت بیس بیس فٹ لمبے ایک لاکھ سے زیادہ فوجی سازوسامان سے بھرے کینٹینرز لے جانے ہوں گے۔

نیویارک ٹائمز نے انکشاف کیا ہے کہ ازبکستان نے بھی امریکہ کی مفرور فوج کو راستہ دینے کی پیشکش کی تھی، لیکن اس شرط پر کہ امریکی اپنی فوجی گاڑیاں اور سامان حرب ازبکستان کے لئے چھوڑ جائیں لیکن امریکہ کو یہ سودا مہنگا دکھائی دیا اور ساتھ میں فاصلہ بھی طویل تھا اس لئے اس نے ازبکستان کی پیشکش کا فائدہ نہیں اٹھایا۔

امریکی غاصب افواج کا جنرل ایلن تبدیل کر دیا گیا اور اس کی جگہ جوزف ڈنفرڈ کو تعینات کیا گیا جس کو اپنی فوج اور سازوسامان کو بحفاظت افغانستان سے نکال لانے کے احکامات دیئے گئے ہیں۔جس کا آغاز ماہ رواں ہی میں کر دیا گیا ہے۔اس سے امریکہ بزبان حال مجاہدین کو یہ پیغام دینا چاہتا ہے کہ وہ واقعی میدان جنگ سے فرار ہو رہا ہے۔لہٰذا اسے اس کی مہلت بھی دی جانی چاہئے اور ساتھ ہی نکلنے کا پر امن راستہ بھی۔

یہ ایک بجا اقدام ہے جو افغان عوام کے ساتھ ساتھ خود امریکی حکومت، امریکی فوج اور امریکی عوام کے لئے بھی مفید ثابت ہو سکتا ہے کہ اس سے امریکی حکومت مزید بھاری جنگی اخراجات، امریکی فوج قتل اور مفلوج ہونے، نفسیاتی مریض بننے اور امریکی عوام لاڈلے بچوں کے محروم ہونے سے بچ جائیں گے۔یہی وہ بات تھی جس کا شروع سے مجاہدین مطالبہ کر رہے تھے۔لیکن امریکی تھے کہ اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے کسی طرح ماننے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔پھر بھی "دیر آید درست آید" لیکن جان ایلن کا یہ کہنا کہ امریکہ بے شک جا تو رہا ہے لیکن کرزئی یا اس کے جانشین کی حکومت کی حفاظت کے لئے افغانستان کی سرزمین پر اپنی کلیدی نوعیت کے اڈوں پر چند ہزار فوجی باقی چھوڑ جائے گا۔

یہ بات ایک طرف تو افغان قوم اور خصوصاً برسرپیکار مجاہدین کے لئے ہرگز قابل قبول نہیں ہو سکتی اور دوسری طرف اس سے خود امریکہ کے مطلوبہ مقاصد بھی حاصل نہیں ہو پائیں گے۔ اس لئے کہ جب بارہ سال میں ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ مسلح نیٹو افواج نہتے مجاہدین کو شکست دینے کی بجائے خود ہی شکست کا شکار ہو گئے تو اب دس بارہ ہزار کی معمولی شکست خوردہ فوجی مجاہدین کا کیا مقابلہ کر سکیں گے۔

امریکہ اور اس کے اتحادی مجبوراً بار بار اپنی پالیسیاں بدلتے رہتے ہیں اور بالآخر وہ اس موجودہ پالیسی کو تبدیل کرنے کے ساتھ ساتھ یہ فیصلہ بھی کریں گے کہ افغانستان میں اپنے فوجیوں کی تعداد صفر تک لے آئیں لیکن ایسا کئی ہلاکتوں اور بہت سارے نقصانات کے بعد ہوگا لہٰذا بہتر یہی ہے کہ امریکہ اب ہی سے اپنے سارے فوجیوں کی انخلاء کے لئے اقدامات کرے۔اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے کوئی بیمار آنکھیں بند کر کے تلخ اور کڑوی دوائی کے گھونٹ نگل لیتا ہے اور صحت یاب ہو جاتا ہے تو بہتر یہی ہے کہ امریکہ اور اس کے اتحادی اس کڑوے گھونٹ کو پی ہی لیں تاکہ بیماری کا بنیادی علاج ہو سکے ورنہ وہ وقت دور نہیں کہ وہ اسی بیماری کی وجہ سے سابقہ سوویت یونین کی طرح ہمیشہ کے لئے موت کی نیند سو جائیں گے۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

افغانستان میں امریکی فوجیوں کی کمی کے اوباما اعلان پر امارت اسلامیہ کا ردعمل

مغربی ممالک شاید سمجھ گئے ہوں گے کہ افغانستان میں اس رسوا کن، طویل المدت اور بے مقصد جنگ سے خود کو نکال دیں جس نے درحقیقت امریکہ اور دیگر مغرور طاقت ور ممالک کو بڑے چیلنجوں اور وسیع بحرانوں سے دوچار کیا ہے، ،اس جنگ میں ہزاروں فوجی ہلاک ،لاکھوں کی تعداد میں اپاہج اور نفسیاتی مریض بن گئے، کھربوں ڈالر خرچ ہوئے، جارحیت میں شامل ممالک کی معیشت تباہ ہوئی،ان کے لوگ فقر وافلاس میں سے دوچار ہوئے وغیرہ...

اب وقت آگیا ہے کہ امریکی صدر اوباما سمیت تمام استعماری ممالک اس ناقابل فتح جنگ کی حقیقت کو جان لیں اور تکنیکی کوششوں، فوجیوں کی کمی اور بتدریج انخلاء کی جگہ اپنے عوام کی خواہشات، مطالبات اور محتاجی کو مدنظر رکھ کر جلد از جلد تمام فوجیوں کو ہمارے ملک سے نکال دیں۔

افغان مسئلے کا بنیادی حل یہ ہے کہ یہاں پر مسلط کردہ جنگ کو مکمل طور پر ختم کرے ،افغانوں کو اپنے ملک کا کنٹرول سنبھالنے، نظام کو قائم کرنے اور خود مختار چھوڑدیا جائے، اگر ایسا نہ ہوا تو جب تک ایک غیر ملکی فوجی اہلکار بھی ہمارے ملک میں موجود ہو ہمارا مقدس جہاد مزید شدت کے ساتھ اس کے خلاف جاری رہے گا۔ اوباما نے افغانستان سے چونتیس 34،000 فوجیوں کے انخلاء کا اعلان مسئلے کا بنیادی حل نہیں بلکہ تمام فوجیوں کے انخلاء کو یقینی بنایا جائے۔ یہ افغانستان اور امریکہ دونوں کے مفاد میں ہے۔ مزید نقصانات اٹھانے، بدنامی اور رسوائی سے دوچار ہونے کے بعد اگر امریکہ کل یہ اقدامات کرتا ہے تو بہتر ہے کہ آج ہی کرلے اور افغانستان پر جاری اپنی جارحیت بند کرتے ہوئے بوریا بستر گول کر کے چلے جائیں۔

امارت اسلامیہ افغانستان

03/ربیع الثانی 1434ھق
بمطابق
13/فروری 2013ء

◈ ◈ ◈

ایک گہری سازش

ملا عبدالرحمن

بات بہت سادہ ہے، لیکن انتہائی خوف ناک بھی ہے۔ کسی بھی قوم کی جڑیں کاٹنے کے لیے یہ حربہ بے حد کار گر رہتا ہے۔ اس زہر کی درشتی کا اندازہ وہی قبیلہ، محلہ اور قوم کر سکتی ہے، جس نے اس کا جامِ پُر شرار پی رکھا ہو۔ بعد ازاں اس نے ہوش کے ناخن لے کر سوچا ہو: آہ! یہ ہم نے لمحوں کی خطا کر کے صدیوں کی کیسی سزا پائی ہے۔ ہما شما تو صرف اندازے، تخمینے اور قیافے کی دوڑ ہی لگا سکتے ہیں۔ مسلمان افسوس صد افسوس! اس مرحلہ جاں گسل سے ایک بار نہیں ، بار بار گزرے ہیں۔ ایک نسل اس سمّ قاتل کو قند سمجھ کر نوشِ جاں کرتی ہے۔ پھر سات جمع سات سمیت ایک ایکسٹرا کم از کم 15 نسلیں اس کی تلخی سے متاثر ہوتی رہتی ہیں۔ دشمنوں کو بہ خوبی معلوم ہے مسلمانوں کی فنا کا راز خانہ جنگی میں مضمر ہے۔

جنرل ڈیوڈ پیٹریاس کارِ بد کے اسپیشلسٹ تھے۔ عراق جنگ میں اس نے شیعہ سنی مذہبی منافرت پھیلا کر اپنے اسی فن کی فن کاری دکھائی تھی۔ عرصہ بیت گیا ہے امریکہ عراق جنگ کا ظاہری طور پر خاتمہ ہوئے۔ لیکن دنیا دیکھ رہی ہے وہ دونوں گروپ، جو امریکی چنگیزیت کے خلاف ڈٹے ہوئے تھے، اب آپس میں ہی نبرد آزما ہیں۔ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جس کا سورج ایک ہی ملک کے باشندوں کے آپس میں لڑائی کے مناظر پر کڑھتا ہوا مغربی افق کے اس پار ڈوب جاتا ہے۔ یقیناً یہی وہ بنیادی وجہ تھی جس نے امریکہ کو بہ آسانی عراقی صحراؤں کے چنگل سے اپنے پاؤں چھڑانے میں راہِ فرار فراہم کی تھی۔

اپنے زمانہ جاں کنی میں سویت یونین نے بھی زندگی کی بازی جیتنے کے لئے ”اربکی یا محلی پولیس کو میدان میں اتارا تھا کہ مجاہدین کی خشتِ وحدت میں دراڑیں ڈال کر اسے قومی عمارت کی تعمیر کے لیے ناقابل استعمال بنا دیا جائے۔ اس وقت روس کو کافی آسانی میسر رہی تھی۔ بعد ازاں یہی پولیس ایک طویل عرصے تک خانہ جنگی کا باعث بنی رہی تھی۔ جس سے افغانستان انسانی درندوں کا ایک ایسا مسکن لگنے لگا تھا، جس میں کسی آدم زاد کی جان اور حوا زادی کی آن محفوظ نہیں رہتی۔ تاآں کہ کرمِ خداوندی ہوا اور طالبان خطہ ارضی کے خار خار دامن کو گل زار بنانے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ دنیا کو ایک مثالی نظامِ حکومت دیا۔ امن فراہم کیا اور ایک ایسی ویلفیئر اسٹیٹ کا عملی نمونہ پیش کیا، جسے دیکھنے کے لیے آنکھیں ترس گئی تھیں۔

افغان محاذ امریکہ پر بہت بھاری پڑ رہا ہے۔ نومبر دو ہزار ایک سے تاحال صرف ایک ہی چیز امریکہ کے حصے میں آتی رہی ہے۔ ناکامی، ناکامی اور ناکامی۔ کیوں کہ امریکہ کے مقابلے میں طالبان کے ہم دوش دردِ اسلام اور فکرِ وطن کے حامل افغانی عوام بھی تھے۔ تب امریکہ نے سوچا: دریائے وحدت کی ان بپھری موجوں کو بیرونِ دریا کر دیا جانا چاہیے۔ اس سے ہمارا سالوں کا کام سمٹ کر مہینوں میں آسکتا ہے۔ کیوں کہ

ع موج ہے دریا میں بیرونِ دریا کچھ نہیں۔

اربکی یا محلی پولیس افغانستان کے اکثر علاقے میں موجود ان بے بس افراد اور غدار ٹیپو سلطان ہندو بنیے پورنیا کی اولاد پر مشتمل ہوتی ہے۔ جو سادہ اصطلاح کے مطابق امریکی ڈالروں پر ریجھنے والے ہوتے ہیں یا ان کو بہ زورِ شمشیر، دستِ قاتل خویش بنایا جاتا ہے۔ یہ لوگ چار و ناچار ہر اس آدمی کے لہو سے اپنے ہاتھ رنگتے ہیں جس کا دل امریکی نفرت کے زنگ سے آلودہ نظر آئے۔ یوں خانہ جنگی پیدا ہو جاتی ہے، موجیں بکھر جاتی ہیں اور دریائے وحدت کی تہہ میں موجود ریت آفتابِ شکست کی جھلساتی شعاعوں سے چمکنے لگتی ہے۔

دو سال قبل اسی کارِ بد کے ماہر ڈیوڈ پیٹریاس کو اسی لیے افغانستان بلایا گیا تھا۔ انہوں نے اپنے عراقی تجربے کو پیش نظر رکھ کر بمع تھوڑی سی ترمیم اس مشن پر کام شروع کر دیا۔ اس پولیس میں مذہبی اختلافات کے علاوہ نظریات میں رتی برابر اختلاف والے کو بھی ”بھرتی“ کیا گیا۔ اس میں اکثر وہ یگانہ روزگار شخصیات ہوتی ہیں، جن کا یارانہ دنیائے منشیات، آوارہ گردی، لادینیت اور غیر تعلیم یافتگان کے ساتھ ہوتا ہے۔ امارت اسلامیہ نے ابتداءً ہی اس سازش کے مضمرات کو بھانپ لیا تھا۔ انہوں نے واضح اور غیر مبہم الفاظ میں خبردار کر دیا تھا یہ خانہ جنگی پیدا کرنے کی بھیانک سازش ہے۔ جن لوگوں کو ہمارے قتل کے دستخط شدہ محضر نامے دیے گئے ہیں وہ پیسے کے علاوہ کسی چیزے دِگر کو نہیں جانتے۔ ان کو امریکہ بہادر نے اسلحہ، گاڑیاں اور اختیارات کا تحفہ اور اقتدار بہ شرطِ استوار عطا کر رکھا ہے۔ وہ علاقے میں رضائے امریکہ کے لیے جو کچھ کرنا چاہیں، کوئی روک ٹوک نہیں سکتا۔ وہ حاضر سروس اربکی اس جرات بے باکانہ اور جسارتِ منافقانہ کے بل پر غیرت مند افغان شہریوں کے در و دیوار کو پھاند کر چادر اور چار دیواری کا تقدس پامال کرتے ہیں۔ بے گناہ بھی ہتھے چڑھ جائے تو بے جان کیے دیتے ہیں۔

چوری، ڈاکہ زنی اور لٹیرے پن کی انتہا کر کے رکھ دی ہے۔ اگر مظلوم اپنا جرم ضعیفی پوچھتے ہیں تو چلتی بندوق کے دھانے سے نکلتی گولیاں اس کا جواب ہوتی ہیں ۔اس طرح کے بے شمار واقعات ظلم و ستم ارض افغانستان پر رونما ہوتے رہتے ہیں ۔ ہم برطانوی جریدے ’’ انڈیپنڈنٹ ‘‘ کی مارچ دو ہزار گیارہ کی شائع شدہ رپورٹ کا ایک حصہ پیش کرتے ہیں۔

’’افغانستان کے مشرقی صوبے پکتیکا میں ایک جنگ جو کمانڈر ہے۔ اس نے عرصہ دو سال سے علاقے کی فضا کو اپنی دہشت سے خوف زدہ اور بوجھل کر کے رکھا ہوا تھا۔ چوری، جنسی جرائم، قتل و غارت گری کے پاپ، مساجد کی توہین، لقمہ اجل بن جانے والوں کا مثلہ اور لاشوں کی توہین ایسے گناہ اور جرائم اس کے نامہ اعمال میں درج ہیں۔ لیکن چوں کہ یہ سب امریکہ کے حق میں جاتا ہے اس لیے آں جناب کو حمایتِ خداوند خا کی مکمل طور حاصل ہے۔

مذکورۃ الذکر دہشت گرد اور غارت گر عزیز اللہ کے بارے قومی رائے دہندگان، گاؤں میں رہنے والے عوام اور علاقے میں موجود امریکیوں کا خود اعتراف نامہ منظر نامے پر آچکا ہے۔ اکتیس سالہ عزیز اللہ نے علاقے کی فضا میں سراسیمگی پیدا کرنے کے علاوہ طالبان مخالف جنگ میں اس کی جی تھری کی نال عوام کے سینوں کا رخ کیے ہوتی ہے۔ اقوام متحدہ ؟؟؟ نے بھی امریکہ کے اسی غلامِ بے دام پر دو مرتبہ رپورٹیں شائع کی ہیں۔ پہلی مرتبہ تب، جب عزیز اللہ نے ایک گھر پر شب خون مار کر وہاں سے دس ہزار ڈالر کے برابر نقدی اور دوسرا قیمتی ساز و سامان اور متاعِ خانہ لوٹ لیا تھا

’’انڈیپنڈنٹ‘‘ کی مذکورہ رپورٹ کے مطابق اسی علاقے کے ایک رہائشی پر یہ شبہ کیا جا رہا تھا کہ اس کے طالبان کے ساتھ تعلقات ہیں۔ عزیز اللہ نے چند اوباش نوجوانوں اور ٹولہ آوارگان کے ساتھ اس مشتبہ آدمی کے مکان پر چھاپہ مارا۔ فضا میں امریکی کرگس اس کی مدد پر کمربستہ ہمہ وقت قدم بہ قدم ساتھ تھے ۔طرفہ تماشا یہ کہ مذکورہ مشکوک شخص کو گرفتار کر کے زیر تفتیش لانے کے بجائے اس کے گھر پر اندھا دھند فائرنگ کر دی۔ جو مر گئے، وہ تو رزقِ خاک ہوئے اور جو زخموں سے چور چور ہونے کی وجہ سے زندگی و موت کی کشمکش میں مبتلا تھے، ان پر پیٹرول چھڑک کر آتشِ نمرود کی یاد تازہ کر دی۔ رپورٹ کہتی ہے یہ تو خوف ناک مثالوں کے انبار سے مشتے از خروار ہے، ورنہ اس طرح کے کئی عزیز اللہ افغانستان کی دھرتی پر خانہ جنگی کی کوڑھ کاشت کر رہے ہیں۔ رپورٹ میں اسی علاقے کے ایک باشندے کے حوالے سے بتایا گیا ہے کوئی مائی کا لال عزیز اللہ کا نام ٹیڑھے منہ سے نہیں لے سکتا۔ ورنہ انجام کار وہ منہ ہی گردن سمیت دھڑ سے جدا کر دیا جاتا ہے۔

بات فقط اتنی رہتی تو زیبِ داستاں کے لیے مزید دل دوز المیوں کا ذکر نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن سانحہ یہ ہے عزیز اللہ تاجک برادری سے تعلق دار ہے۔

جب کہ اس کے علاقے کے تمام باشندے پشتون ہیں۔ جس کی وجہ سے لسانی تعصبات بھی جنم لے رہے ہیں اور دشمنی کے اسباب مزید پھیلتے جا رہے ہیں۔ اسی طرح صوبہ ارزگان کے ہم نام ضلع میں امریکہ کا تربیت یافتہ پٹھو ’’حکیم شجاعی‘‘ بھی عزیز اللہ کے نقش پا پر گام زن رہتا ہے۔ اس کا المیہ ہزارہ برادری کا فرد ہونا ہے۔ یہ شخص امریکی تربیت و حمایت یافتہ ’’اربکی پولیس‘‘ کا سربراہ ہے۔ اس کا جور و جبر تو قابل نفرین تھا ہی، لیکن نازک حالات میں لسانی تعصب بھی سر اٹھانے لگتا ہے۔ جس کی وجہ سے علاقے کی پشتون آبادی اس سے سخت نالاں ہے۔ بار بار کا احتجاج بھی اس کو من جانب امریکہ عطا کردہ منصب سربراہی سے معزول نہیں کرا سکا۔ افغانستان میں کار گزار امریکی فوج نے اربکی پولیس کی تربیت و حمایت اور اٹھان میں بے حد زور لگا دیا ہے۔ ہر جگہ ڈالر کی چکا چوند اور اسلحے کو نوک پر ان کو تباہ کن ہتھیاروں سے لیس کر کے ریڈ الرٹ کر دیا جاتا ہے۔ تب ان ’’پُلسیوں‘‘ کی حالت ’’نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن‘‘ والی ہوتی ہے اور انہیں مجبوراً اپنے ہم وطنوں پر بارود کی بارش برسانا پڑتی ہے۔

میرے ایک دوست نے اپنے دوست کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ سناتے ہوئے کہا: دو ماہ لگاتار امریکی ہمارے گھر آتے رہے ہیں۔ ان کا مطالبہ و اصرار در انتباہ یہ تھا ہم آپ کے خانوادے کو مال اور اسلحہ فراہم کریں گے۔ آپ کی ذمہ داری ہو گی کہ طالبان اس علاقے میں قدم نہ رکھنے پائیں۔

جب بھی ان سے سامنا ہوا ان کو بلا تاخیر جان سے گزار دو۔ ہم نے دو ٹوک الفاظ میں ان کا مطالبہ رد کر کے کہہ دیا ’’ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا‘‘۔ جب امریکیوں کی دال کسی طور پر نہ گلی تو انہوں نے اپنے گھٹیا پن کا اظہار ہمیں بلا وجہ تنگ کرنے میں کیا ۔ روزانہ آتے، چھاپے مارتے، علاقے میں بم باری کرتے، پکڑ دھکڑ اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کرتے۔ کچھ کو جان سے مار ڈالتے اور چند ایک کو زخمی کر کے زندگی و موت کی بازی لڑنے میں لگا دیتے

ان بے بسوں کی بستی میں ایک ماہ کے دوران 17 افراد کو شہید کر دیا۔ جن میں ایک درجن بوڑھے اور علاقے کے معتبر افراد تھے۔ ان کا جرم یہ بتایا گیا کہ انہوں نے علاقے کے نوجوانوں کو اربکی پولیس میں بھرتی ہونے سے روکا ہوا ہے۔ مجبوراً کچھ لوگ ان کے ساتھ ہو گئے اور اکثر نے ہجرت کر لی۔

ہم بھی تنگ آئے ہوئے تھے جائے پناہ کا سوچا تو پاکستان کا دامن ہی ہمیں پھیلا ہوا نظر آیا۔ چناں چہ ہمارا باقی ماندہ خاندان ہجرت کر کے قندھار کی سرحد پار کر کے مشرقی جانب آگیا۔ اب امریکیوں کا حال یہ ہے کہ امریکہ کا جب بھی طالبان سے ٹکراؤ ہوتا ہے تو اربکیوں کو ہراول دستے کے طور پر آگے کر دیا جاتا ہے۔ اور امریکی اپنی گن ان کے کندھے پر رکھ کر چلاتے ہیں ’’سانپ بھی مر جائے لاٹھی بھی نہ ٹوٹے‘‘۔

پچھلے ماہ امارت اسلامیہ نے ایک رپورٹ نشر کی تھی۔ اس میں تفصیلاً بتایا

گیا تھا اس مہینے میں اربکیوں نے اپنی قوم کا کتنا زیادہ نقصان کر ڈالا ہے۔ اور بہت واشگاف الفاظ میں خبر دار کیا تھا یہ گھٹیا حرکت خانہ جنگی کی بھیانک اور گہری سازش ہے۔ لیکن کیا ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کے نظریے پر عمل پیرا امریکہ اپنے اس مذموم مقصد میں کامیابی حاصل کرلے گا؟ یہ وہ اہم سوال جو لوگوں کے ذہن میں پیدا ہو رہا ہے۔

افغانستان کی تاریخ وطالبان کا کنٹرول اور افغان گلی کوچوں کے حالات یہی بتاتے ہیں امریکہ اس مقصد میں بھی بہ نصرتِ حق ناکام ہی رہے گا۔ روس کے ساتھ جہاد کے اختتام پر پیدا ہونے والی خانہ جنگی کا ایک بہت ہی بنیادی سبب اس وقت کی جہادی قیادت کا مفاداتی اختلاف تھا۔ جس نے ملک کو تباہی کے غار میں دھکیل دیا تھا۔ لیکن اب ایسی کسی صورت حال کا وجود نہیں ہے۔ البتہ اگر امریکہ کی پشت پناہی کی وجہ سے چند فتنہ ساز، شرپسند عناصر مفادات جن کا نصب العین ہیں اس فتنہ پروری میں مصروف عمل ہیں تو بھی امریکہ کے قیام تک کی ایک کہانی ہے، جو یقیناً امریکی انخلاء کے بعد افسانہ پارینہ میں ڈھل جائیں گے۔ یہی وجہ ہے ان فتنہ پرور اور خانہ جنگی کے کارِ شیطانی میں شریک روبوٹوں کے روحانی پیشوا ہونے کے ناطے جناب کرزئی بھی محفوظ مستقبل کے لیے بھاگ دوڑ کرتے نظر آتے ہیں۔

طالبان بلکہ تمام افغان اسلام پسندوں کی موجودہ قیادت کا اخلاص بے لوثی کے پارے میں ڈھلا ہوا ہے۔ جس پر یہ گمان کرنا ذرا مشکل لگتا ہے کہ وہ ذاتی اغراض کے دھارے میں بہہ کر طوفانِ عظیم سے نکال کر لائی گئی وطن کی کشتی ڈبو دیں گے!!

ادھر جناب کرزئی بار بار نعرہ زن نظر آتے ہیں کہ طالبان ہمارے ساتھ مذاکرات کریں۔ ورنہ امریکی انخلا کے بعد خانہ جنگی کے امکانات قوت پکڑلیں گے۔ حالانکہ اربکیوں کی پیدائش اور افزائش کے بعد ان کی مذموم حرکات، یہ سب کچھ کرزئی کی ناک کے عین نیچے ہو رہا ہے، لیکن مجال ہے جو انہیں اس کی ذرا بھی بُو محسوس ہو جائے!!

■ ■ ■

بقیہ: از جنگی جرائم

ایک عام ملکی فرد حاجی عطاء اللہ کے خاندان کے چار بچوں کو شہید کر دیا۔ بتایا گیا ہے کہ غاصب جارحیت پسندوں نے پہاڑوں اور دروں میں جابجا ریموٹ کنٹرول بم فٹ کر دیے ہیں جس سے مختلف مقامات میں عام مقامی لوگ زخمی اور شہید ہو جاتے ہیں۔

21 جنوری کو صوبہ کابل ضلع سروبی کے اوزبین کے علاقے حسن خیل میں اربکیوں نے دو عام افراد پر فائرنگ کی جن میں سے ایک موقع پر ہی شہید ہو گیا جبکہ دوسرا زخمی ہو گیا۔

21 جنوری کو صوبہ قندوز کے مرکز کے مضافاتی علاقے کنم میں جارحیت پسندوں نے چھاپے کے دوران گھروں کی تلاشی بعد ایک عام افغان شہری کو شہید اور دو کو گرفتار کرکے اپنے ساتھ لے گئے۔

21 جنوری کو قابض جارحیت پسندوں نے صوبہ کنڑ ضلع مرکز اسعد آباد کے مضافاتی علاقے میں ایک عام فرد کے گھر پر چھاپہ مارا، گھر کی تلاشی کے بعد گھر کے مالک کو اپنے ساتھ اپنے بیس کیمپ میں لے گئے۔

12 جنوری ہی کو قابض جارحیت پسندوں نے صوبہ ننگرہار ضلع شیر از کے علاقے توتو گاؤں میں عوامی لوگوں کے گھروں پر یلغار کردی۔ گھروں کی تلاشی لی۔ آخر میں ایک ملکی شخص کو زخمی اور 8 افراد کو گرفتار کر لیا۔

21 جنوری کو غاصب درندوں نے صوبہ نورستان ضلع کامدیش کے علاقے بازگل میں عام لوگوں کے گھروں پر بمباری کردی جس میں 2 افراد شہید ہو گئے۔

22 جنوری کو اروزگان ضلع چہار چینو کے علاقے گوہر گین ناوی کے علاقے میں غاصب جارحیت پسندوں نے چھاپے کے دوران 4 عام افراد کو گرفتار کر لیا۔

27 جنوری کو غاصب جارحیت پسند فوجی صوبہ کاپیسا ضلع تگاب کے جامع مسجد کے خطیب مولانا ضیاء الحق اور قبائلی رہنما حاجی ممتاز کو گرفتار کرکے اپنے ساتھ لے گئے۔ اسی طرح غاصب جارحیت پسندوں نے اسی دن ضلع لنڈا خیل میں چھاپے کے دوران دو مقامی افراد کو بھی گرفتار کیا۔

27 جنوری کو صوبہ لوگر ضلع برکی برک کے مرکز کے قریب جارحیت پسند فوجیوں نے 3 بھائیوں کو اس وقت ایک ساتھ شہید کر دیا جب وہ کسی گاڑی میں گزر رہے تھے۔ صوبہ لوگر کے حاکموں نے اس واقعے کی تصدیق کی مگر اس کی جزئیات بتانے سے گریز کیا۔

30 جنوری کو غاصب جارحیت پسند فوجیوں داخلی فوجیوں کے تعاون سے صوبہ ننگرہار ضلع خوگیانو کے علاقے قیلغو کے گاؤں میاگان میں 2 بزرگ افراد کو شہید کر دیا۔ 9 افراد کو گرفتار کر کے لیے گیا۔ علاقے کے لوگوں نے میڈیا کو بتایا کہ صبح کے وقت وہ اپنی کھیتوں میں کام کاج میں مصروف تھے کہ داخلی اور خارجی فوجی آ گئے۔ انہوں نے لوگوں پر فائر کھول دیا جس میں دو افراد موقع پر ہی شہید ہو گئے۔ اس کے بعد جو بھی ان کے ہاتھ آیا اسے اپنے ساتھ لے گئے۔ مذکورہ ضلع کے کمشنر حاجی سیدر حمن نے بھی اس واقعے کی تصدیق کی۔

31 جنوری کو عینی شاہدین کے بقول صوبہ غزنی ضلع مقر میں اربکیوں نے اس ضلع کے مرکزی جامع مسجد کے امام اور خطیب خلیفہ ثناء اللہ اور گاؤں مل خیل کے امام مولانا حمید اللہ کو گرفتار کر لیا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ ہمیں نہیں معلوم مذکورہ علماء کو کیوں گرفتار کیا گیا ہے۔

ماخذ: بی بی سی ریڈیو، آزادی ریڈیو، اسلامی چینل، پژواک ٹی وی چینل، بینوا ویب سائٹ، روھی ویب سائٹ، نن ڈاٹ ایشیا۔ لراوبر ویب سائٹ۔

ماھنامہ شریعت آغاز اور سال کا سفر

اکرم تاشفین

کوئی جماعت، ادارہ، تحریک یا حکومت کوئی روزنامہ اخبار، ہفت روزہ، ماہنامہ، سہ ماہی، ششماہی یا سالانہ میگزین کے اجراء کا فیصلہ کرتی ہے۔ تب ایڈیٹر اور چیف ایڈیٹر کا تقرر ہوتا ہے۔ دفتر، وسائل اور کارکنوں کو جمع کیا جاتا ہے۔ وسیع بجٹ رکھا جاتا ہے۔ اچھے اچھے اور بڑے نام والے لکھاریوں کو بھاری معاوضے اور مراعات دے کر کھینچا جاتا ہے۔ بعضوں سے تو بالکل بھاؤ تاؤ کا معاملہ ہوتا ہے۔ مختلف اخبارات اور رسائل سے لوگوں کو توڑ کر ساتھ لیا جاتا ہے۔ دفتر، مفت فون کی سہولت، باورچی، سواری اور دیگر مراعات اس کے علاوہ ہوتے ہیں جو عام کارکنوں کو بھی مہیا کیے جاتے ہیں۔ کروڑوں کا روپیہ لگا کر اشتہاری مہم چلائی جاتی ہے تب جا کر اخبار یا رسالہ "جلوہ افروز" ہوجاتا ہے۔ مقررہ تاریخ پر سامنے آتا ہے تو بک سٹالوں، اخبار ہاکرز اور دیگر مقامات پر اس کا چہرہ پہلے پہل اجنبی ہوتا ہے پھر آہستہ آہستہ رسالے اور اخبار کو اپنے قارئین ملنا شروع ہوجاتے ہیں۔ رسالے کی سوچ سے ہم آہنگ لوگوں کو اپنا ایک ترجمان مل جاتا ہے یا نہیں حالات سے باخبر رہنے کے لیے اپنا ہم فکر کوئی ذریعہ ابلاغ میسر آجاتا ہے۔ پھر کچھ عرصہ گزرتا ہے اخبار یا رسالے کے اجراء کا جوش و خروش ٹھنڈا ہونے لگتا ہے۔ مسائل جو کبھی انبار کھڑے تھے عزم وہمت سے ان کو پھلانگ جایا کرتے تھے اب ہر مشکل پہاڑ بن کر سامنے کھڑا ہوجاتا ہے جس کا پھلانگنا ماونٹ ایورسٹ کی چوٹی سر کرنے کے برابر نظر آتا ہے۔ مالی خسارے، افرادی کمی، مطلوبہ صلاحیتوں والے افراد کی تلاش، وسائل جمع کرنے کی مشکلات، روزانہ کے تیکنیکی مسائل، بجلی، گیس، ٹیلیفون اور دیگر ضروریات، مشکلیں اتنی کہ سر کے بالوں سے زیادہ، ادھر انسان بیچارہ ہے ہی کیا ایک گوشت و پوست کا پتلا۔ ان مسائل میں الجھ کر اور امس کر رہ جاتا ہے۔ مالی مسائل کے حل کے لیے اخبارات، رسائل، ٹی وی اور ریڈیو چینلز کے مالکان اشتہارات کا سہارا لیتے ہیں۔ حکومتوں اور عوام سے اشتہارات اور اس پر بھاری معاوضہ لے کر اخراجات پورے کیے جاتے ہیں تب جا کر کوئی اخبار یا رسالہ چل پڑتا ہے۔ دن ہفتوں، ہفتے مہینوں اور مہینے سالوں میں ڈھلتے چلے جاتے ہیں اور مسلسل اشاعت کے برس شمار کیے جانے لگتے ہیں۔ جن اخبارات اور رسائل کو اشتہارات میسر نہیں آتے یا وہ مشکلات کا شکار ہوجاتے ہیں ابتدائی سالوں ہی میں بیٹھ جاتے ہیں۔ صرف مالی مسائل ہی نہیں دیگر مشکلات بھی اخبار اور رسائل کی حیثیت گرا دیتے ہیں۔ آج ہم اپنے ارد گرد جتنے اخبارات، رسائل اور جرائد دیکھ رہے ہیں اس سے کئی گنا زیادہ مجلے ایسے ہوتے ہیں جن کا اجراء ہوجاتا ہے مگر اجراء کے بعد وہ چلنے کے قابل نہیں رہتے۔

آپ کے سامنے ماہنامہ شریعت کا بارہواں شمارہ ہے۔ اس سے قبل گیارہ شمارے آچکے ہیں۔ اس شمارے پر پہنچ کر آپ کے اس محبوب مجلے کو اپنے سفر کا آغاز کیے ہوئے سال پورا ہوجاتا ہے۔ یوں تو یہ سال گزر گیا مگر کیسا گزرا اس کا اندازہ تو صرف ایک ادارہ ہی کر سکتا ہے۔ شریعت کے اجراء میں کتنی مشکلات تھیں اور کس طرح ادارے اور قلم کاروں کے تعاون سے یہ مسائل حل ہوگئے۔ ایک وہ وقت تھا جب امارت اسلامیہ نے اپنے اردو آرگن کے اجراء کا فیصلہ کیا تو صرف ایک کارکن میسر تھا جس کی اردو سے کچھ واقفیت تھی اور وہ بھی محض واجبی سی۔ کہاں اردو سے واقف کارکنوں کو جمع کرنا اور مجلے کے لیے اردو کے اچھے لکھاریوں کو ڈھونڈنا، یہ سوچ کر ہی رونگٹے کھڑے ہوجاتے تھے۔ دوسرے رسائل و جرائد جن کو ہر جگہ کام کرنے کی مکمل آزادی ہوتی ہے ان کے لیے تو پھر بھی لکھاریوں کو ڈھونڈنا زیادہ مشکل نہیں ہوتا۔ کہاں امارت اسلامیہ کا ماہنامہ شریعت جس کے لیے حالات بھی موافق نہیں ہیں۔ مگر وہ جو کہتے ہیں کہ عزم ہو تو کوئی کام مشکل نہیں ہوتا۔ حالات، افراد اور اسباب کی مشکلات سب پر قابو پایا گیا اور وہ محض عزم اور ہمت کے بل بوتے پر۔ دور دور سے لکھاریوں کو دعوت دے کر منسلک کیا گیا اور اب الحمدللہ لکھنے لکھانے کا سلسلہ جاری ہے۔ لوگ ماہانہ لاکھوں روپے صرف معروف لکھاریوں پر خرچ کر کے ان کی خدمات لیتے ہیں۔ آپ کے اس مجلے کو ایسا معروف نام اور جانا پہچانا چہرہ بھی میسر نہیں اگر ہے تو حالات کے باعث اس کا نام لیا بھی نہیں جاتا۔ پھر بھی عزم وہمت کا کاروان کامیابی سے محو سفر ہے۔ اسباب اور مالی مشکلات کا اندازہ کرنا آپ کے لیے مشکل نہیں۔ اشتہارات نام کی کوئی چیز نہیں۔ ایک امارت اسلامیہ جسے پورے افغانستان میں معلوم ٹھکانہ بھی میسر نہیں، جنگی و عسکری اخراجات، سفر اور دیگر معاملات اور ساتھ میں میڈیا کمیشن کے اخراجات سب کو ساتھ لے کر چلانا کتنا مشکل کام ہے۔ کارکنوں اور لکھاریوں کو حق الخدمت بھی ان کی مشقتوں اور تکالیف کے مقابلے میں برائے نام دیا جاتا ہے۔ بے شک یہ ان کی بے لوث محبت اور اخلاص کا ثمر ہے کہ شریعت کا بارہواں شمارہ پوری آب و تاب کے ساتھ آپ کے سامنے ہے۔

تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی اس محاورے کی حقیقی تصویر آپ کا ماہنامہ شریعت ہے ۔یہاں انتظامی ساتھیوں کی انتھک اور بلا مبالغہ حد سے زیادہ تھکا دینے والی محنت اور اس کے ساتھ لکھاری ساتھیوں کی شب و روز مشقتوں کا نتیجہ ہے کہ شریعت کا یہ سال انتہائی کامیابی سے گزرا۔ توقع سے بڑھ کر قارئین کی جانب سے داد ملی۔ ہمارے خیال میں شریعت کا اجراء حقیقی معنوں میں وقت کی ضرورت تھی۔ایک بہت بڑا خلا تھا جس کو پر کردیا گیا۔ ہمارے پڑوسی اور قریبی ممالک بنگلہ دیش ،ہندوستان اور پاکستان کے علاوہ یورپی ممالک ،امریکہ اور عرب ممالک میں اردو زبان بولنے اور جاننے والوں کا بہت بڑا حلقہ ہے۔اردو زبان میں امارت اسلامیہ افغانستان کے ایک ترجمان مجلے کی ضرورت تھی جو دنیا بھر میں پھیلے ہوئے اردو دان لوگوں تک امارت اسلامیہ کا پیغام پہنچا رہا ہے۔دشمن جنگ کے آغاز ہی سے میڈیا کے ذریعے غلط اور حقائق کے برخلاف پروپیگنڈا کرتا آرہا ہے۔ باہر کی دنیا میں افغانستان کی اصل تصویر اور یہاں کے حالات کا حقیقی جائزہ پیش کرنے سے ہمیشہ دشمن نے احتراز کیا۔ ہمیشہ مجاہدین کی شکست اور نقصانات کی خبریں عام کی جاتیں ۔ امارت اسلامیہ افغانستان کے قائم کردہ کمیشن برائے ثقافتی امور کی جانب سے ماہنامہ شریعت کا اجراء دشمن کے جھوٹے پروپیگنڈے کا دندان شکن جواب ہے۔ یہ واحد اردو مجلہ ہے جو اردو زبان میں امارت اسلامیہ کی ترجمانی کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔یہی وجہ ہے کہ جیسے ہی اس کا اجراء ہوا دوسرے اور تیسرے شمارے ہی سے طلب میں اس قدر اضافہ ہوا کہ مجلے کی اشاعت پہلے شمارے کی بہ نسبت آج آٹھ گنا زیادہ ہے مگر قارئین کی طلب اب بھی پوری نہیں ہو پا رہی۔ قارئین کے تاثرات دیکھ کر بدن میں خون سیروں بڑھتا جاتا ہے۔اب بھی کچھ کمزوریاں ہیں جن پر قابو پانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ مگر الحمدللہ یہ بھی کیا کم ہے کہ ایسے نامساعد حالات کے باوجود مجلے کی اشاعت روز بروز بڑھ رہی ہے۔اس کی طلب میں اضافہ ہو رہا ہے اور الحمدللہ معیار میں انقلابی تبدیلیاں آرہی ہیں۔ دیکھنے والا کوئی دیکھے تو اسے شاید کئی نقائص دکھائی دیں مگر اس بات کا اندازہ کرنا اس کے لیے مشکل ہوتا ہے کہ موجودہ حالت میں اگر مجلہ ہمارے سامنے ہے تو یہاں تک کیسے پہنچا ہے ؟ایک عام قاری کے سامنے جب کوئی اخبار یا رسالہ آتا ہے تو اسے اندازہ نہیں ہوتا کہ اس پر کتنی محنت کی گئی ہے۔ قاری کے سامنے تو یہ محض چند صفحات کا مجموعہ ہوتا ہے جس پر کچھ مضامین نوشتہ کیے گئے ہوتے ہیں۔۔ کوئی پسند کرتا ہے اور کوئی ناپسند۔ مگر کسی کو اندازہ نہیں ہوتا کہ ان چند صفحات کے پیچھے کتنی محنت کھڑی ہے۔ کتنے رت جگے اٹھائے گئے اور مغز خوریاں کی گئی ہیں۔ ہمارے خیال میں یہ سب اللہ تعالی کی نصرت کا کرشمہ ہے وگرنہ ایسے حالات میں مجلے کی ایسی کامیابی، طلب میں اضافہ اور معیار میں بہتری یہ سب ایک انسان کی بس سے باہر ہے۔ قارئین کرام کا خلوص بھی ہم نہیں بھول سکتے۔ کسی مجلے کی اشاعت کے پہلے برس ہی اپنی محبتوں سے اس قدر نوازنا یہ محض دین کی محبت ،اخلاص ،بے لوث ایثار اور مجاہدین سے بے پناہ محبتوں کی برکت ہے ۔ہمارے لیے یہ بات باعث اطمینان ہے کہ قارئین اس قدر توجہ دے رہے ہیں۔ قارئین کرام اپنی محبتوں کو دوام دیتے رہیں اپنی دعاؤں میں دنیا بھر کے مسلمانوں، مجاہدین اور خصوصا افغانستان میں عصر حاضر کے سب سے بڑے فرعون سے نبرد آزما مجاہدین کو ضرور یاد رکھیے۔اسلام کی خاطر قید وبند اور ہجرت کی تکالیف برداشت کرنے والوں اور شہداء کے بیواؤں اور یتیموں کے ساتھ ساتھ ان نہتے قلم کاروں کو بھی اپنی نیک تمناؤں اور پرخلوص مناجات میں یاد رکھیے جو فکری صلیبی جنگ میں اپنی صلاحیتوں کا ہتھیار لے کر لڑ رہے ہیں۔ شریعت محمدی کے نفاذ تک "شریعت" کا یہ سفر جاری رہے گا۔ان شاءاللہ۔

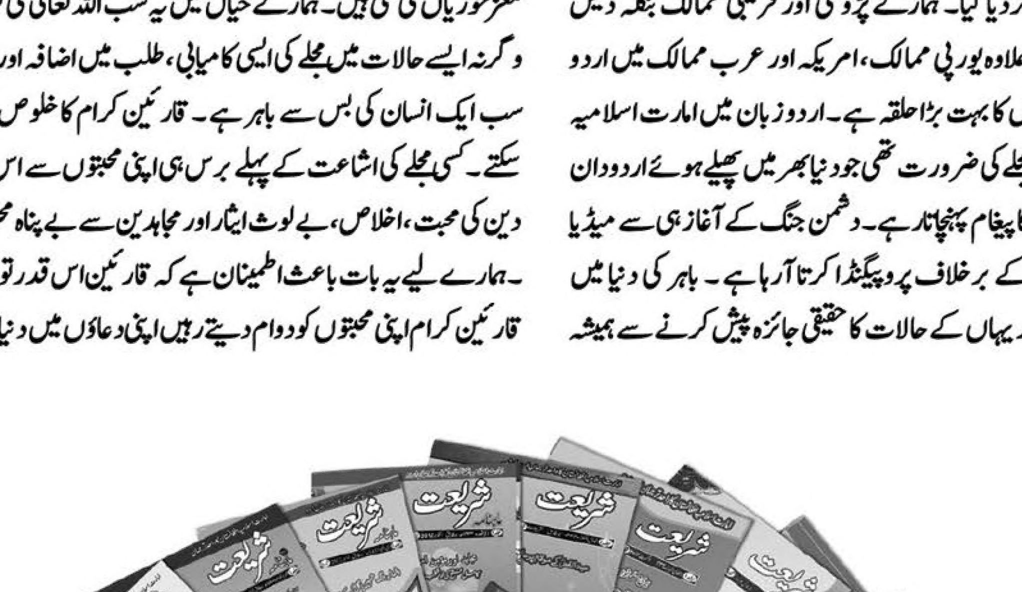

مالی پر مغربی یلغار

اسباب و وجوہات

حسن مومند

روئے زمین پر مالی کے نام سے موسوم ایک اور مسلمان آزاد و خود مختار مگر غریب اور کمزور ملک بھی صلیبیوں کی جارحیت کا شکار ہے۔ صلیبی جارحیت پسندوں نے وہاں بھی اپنی فوجیں اتاری ہیں۔ افغانستان میں سوویت یونین کی شکست اور دنیا کے یک قطبی ہونے کے بعد امریکا سمیت تمام طاقتور صلیبی ممالک کی نظریں دو علاقوں پر زیادہ مرکوز تھیں جنہیں زیر تسلط لانے کے لیے ان کی کوششیں دن رات جاری تھیں۔ یہ دونوں علاقے وسطی ایشیا اور افریقہ کا بڑا صحرا تھے جہاں بڑے زیر زمین معدنی ذخائر دریافت ہو رہے تھے اور اسلام کی جڑیں مضبوط ہو رہی تھیں اس کے ساتھ ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ ان علاقوں میں مسلمان عسکری اعتبار سے انتہائی ضعف کا شکار تھے۔

خلیجی ممالک میں جب تیل کے ذخائر میں کمی کے علامات ظاہر ہونے لگے اور مغرب پر یہ واضح ہو گیا کہ کچھ عرصے بعد یہ ذخائر تیل کی ضرورت پوری نہیں کر سکیں گے اس لیے ان کی نظریں وسطی ایشیا اور افریقا پر مرکوز ہو گئیں اس لیے کہ ان دونوں علاقوں میں دیگر قیمتی معدنیات سمیت تیل اور گیس کے بڑے ذخائر موجود تھے جو اس وقت تک محفوظ پڑے تھے۔ ان پر قبضہ کرنے سے مغربی ممالک کی کمپنیوں کو سرمایہ کاری کا بڑا موقع بھی ہاتھ آتا۔ تیل، سونے اور دیگر مواد کی ضرورت بھی پوری ہو رہی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ پڑوس میں واقع افغانستان میں جہاد کی برکت سے ان دونوں علاقوں کے لوگوں میں خصوصاً نوجوانوں میں تیزی سے پھیلتی ہوئی اسلامی بیداری اور جہادی نظریے { جسے مغرب اسلام دشمنی کی وجہ سے اسلامی بنیاد پرستی اور اسلامی ٹیررازم سے تعبیر کرتا ہے۔ اسے امن کے لیے خطرہ اور اس کی روک تھام کو انتہائی مشکل قرار دیتا ہے } کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنا بھی ان بڑے مقاصد میں شامل تھا جس کے باعث مغرب ان علاقوں میں آیا اور قبضے کے لیے کوششیں شروع کیں۔

یہ سب کچھ اس وقت ہو رہا تھا جب اسلامی دنیا کے ممالک مغرب کے مقابلے میں ضعف کی اس حالت میں تھے جس سے انتہائی کم رد عمل دکھانے کی توقع بھی نہیں تھی اس لیے مغرب کے لیے ان دونوں خطوں پر جارحیت اور قبضہ کرنے کا انتہائی اچھا موقع تھا۔ وسطی ایشیا نسبتاً دور تھا اور روسی جارحیت سے نیا نیا آزاد ہوا تھا پھر روس، چین، پاکستان اور ہندوستان کی طرح ایٹمی ممالک کے پڑوس میں تھا جنہیں امریکا اور دیگر مغربی افواج کی موجودگی ان علاقوں میں برداشت نہیں تھی اس لیے امریکا یہاں صرف فوجی اڈے بنانے کی سوچنے لگا۔ اس کی بنسبت افریقا زیادہ قریب تھا یہاں مشکلات بھی کم تھیں اس لیے جارحیت اور قبضے کا آغاز کیا۔ 90 کی دہائی میں جب افغانستان میں روس کو شکست ہو رہی تھی امریکا نے صومالیہ پر حملہ کیا اور وہاں اپنی فوج اتاری۔ مگر امریکی فوج کی بدقسمتی دیکھیے کہ ان دنوں شیخ اسامہ کے کچھ مجاہدین ساتھی وہاں صومالیہ میں موجود تھے، صومالی مجاہدین کے خلاف زمینی جنگ میں امریکی فوج کو شکست ہو گئی۔ پھر صومالی مجاہدین نے ان ہلاک شدہ امریکی فوجیوں کے گلے میں رسیاں ڈال کر سڑکوں پر کھینچنا شروع کیا۔ اس منظر کی ویڈیو پھیل گئی تو امریکی حکومت کے خلاف عوامی احتجاجی مظاہروں اور ریلیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ امریکی عوام کے بڑے بڑے مظاہروں اور دنیا بھر میں شکست و رسوائی کے خوف سے امریکی فوج صومالیہ سے نکل گئی۔ اس کے باوجود صومالیہ کو مزید کمزور کرنے اور مستقبل میں دوبارہ امریکی مداخلت کی راہ ہموار کرنے کے لیے اس ملک میں خانہ جنگی کو فروغ دینے کی کوششیں جاری رہیں۔

ابھی کسی اور افریقی اسلامی ملک پر حملہ نہیں ہوا تھا کہ 11 ستمبر کا واقعہ ہوا اور امریکا سمیت پوری مغربی دنیا کو وسطی ایشیا کے قریب آنے کا بہانہ مل گیا۔ اس لیے افریقہ پس منظر میں چلا گیا اور صلیبیوں کی پوری توجہ اس خطے پر جلد از جلد قبضہ کرنے پر مرکوز ہو گئی۔ لیکن بے انتہا مالی و جانی نقصان اٹھانے کے بعد بھی جب امریکا اور اس کے اتحادی ناکام ہوئے اور ان کی شکست یقینی ہو گئی، تو افریقا کے اسلامی ممالک کے خلاف شیطانی منصوبے پھر سے شروع ہو گئے۔ سوڈان کو تقسیم اور جنوبی سوڈان میں ایک کٹھ پتلی حکومت لائی گئی۔ امریکا نے وہاں ایک فوجی اڈہ بنایا جہاں سے دن رات بغیر پائلٹ جاسوسی طیارے پرواز کر کے شمالی سوڈان،

یوگنڈا، ایتھوپیا، جبوتی، کینیا اور صومالیہ کی جاسوسی کرتے تھے۔ اس کے بعد گذشتہ سال ناٹو نے لیبیا پر حملہ کر دیا جو ایک مسلمان اور تیل کی دولت سے مالا مال ملک تھا۔ جس میں صدر معمر قذافی ہلاک ہوا۔ اس کی حکومت ختم ہو گئی، خانہ جنگی شروع ہو گئی اس کے ساتھ ہی لیبیا پر قبضے کا صلیبی منصوبہ آگے بڑھنے لگا۔ اور اب ایک اور اسلامی ملک مالی میں اسلام پسندوں کے وجود اور فعالی کو بہانہ بنا کر ناٹو کے مرتب کردہ منصوبے کے مطابق صلیبی اتحاد کے اہم رکن فرانس نے اس پر جارحیت کر دی۔

مالی مغربی افریقا کے صحراوں کے بیچ ساتواں اور پوری دنیا کا چوبیسواں بڑا ملک ہے جس کی سرحدیں موریطانیا، سینیگال، گنی اور، برکینا فاسو، رایور کوسٹ، نائجیریا، اور الجزائر کے ممالک سے ملتی ہیں۔ اس کی دارالحکومت بماکو ہے۔ اس کی آبادی ڈیڑھ کروڑ نفوس پر مشتمل ہے۔ آبادی کا تناسب چالیس فیصد ہے۔ زمین ہموار ہے، یہاں کا موسم گرم اور خشک ہے۔ تقریباً 45 فیصد زمین خشک ریتلی صحراوں پر مشتمل ہے۔ صرف جنوبی حصے میں نائجیریا کے دریا سے قریب فصلیں ہوتی ہیں اور یہی علاقہ کچھ سرسبز ہے۔ چونکہ زراعت یہاں انتہائی کمزور ہے اور زراعت کی جدید ٹیکنالوجی کا استعمال نہیں ہے اس لیے حاصلات اتنی ہی ہوتی ہیں کہ جس سے غلے کی ضرورت پوری کی جاسکے۔ مچھلی کے شکار سے یہاں کے لوگوں کا تعلق زیادہ ہے مگر سمندری ساحل نہ ہونے کے باعث انہیں مچھلی کے شکار میں انتہائی مشکل کا سامنا ہوتا ہے۔ پھر بھی ملک کے 80 فیصد لوگ مچھلی کے شکار اور فارموں کے ذریعے گزر اوقات کرتے ہیں۔ خواتین کی گھریلو صنعت ہاتھ کے بنے ہوئے برتن ہیں جو خطے میں بہت شہرت اور مارکیٹ رکھتے ہیں۔ عالمی مارکیٹ میں یہاں کی کپاس زیادہ مشہور ہے۔

مالی گذشتہ زمانوں میں مرکزی افریقا آنے والے سیاحوں کے لیے پرامن راستہ اور ترقی یافتہ صنعتی ملک تھا۔ ہاتھی دانت کی مصنوعات کے بڑے بڑے مراکز یہاں موجود تھے۔ طرح طرح کے قیمتی پتھر کے کان یہاں موجود تھے مگر سب سے زیادہ مشہور یہاں کے سونے کے کان تھے، یہی سونے کے کان تھے جس کی وجہ سے مالی کا شمار دولت مند ملکوں میں ہوتا تھا۔ مشہور مسلمان سیاح ابن بطوطہ اور معروف مورخ ابن خلدون اور المعری نے بھی لکھا ہے کہ مالی ایک خوشحال ملک تھا۔ اسی خوشحالی اور ثروت کی وجہ سے ہی یہ سیاحوں کا مرکز بن گیا تھا۔ تاریخ کی کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس ملک کا بادشاہ سلطان منسی محمد موسی نے جس سال حج کیا تو اس ملک کے 40 ہزار عوام اس کے ساتھ تھے۔ سونے اور جواہرات کا اس قدر بڑا ذخیرہ اس سفر میں ان کے ساتھ تھا جسے سواریوں پر لادنے اور اتارنے کے لیے 12 ہزار افراد متعین کیے گئے تھے۔ لوگوں کے نذرانے کے لیے جو سونا خاص کیا گیا تھا آج کے اندازے کے مطابق اس کا وزن 8 ہزار کلو بنتا ہے۔ بعض تحقیقاتی اداروں کی رپورٹوں کے مطابق مالی کا بجٹ آج کی گنتی کے مطابق 400 کروڑ ڈالر کا ہوتا تھا۔ لیکن یہی دنیا کے سب سے دولت مند ممالک میں شامل ملک مالی کا شمار اب دنیا کے سب سے غریب ممالک میں ہوتا ہے۔ حالانکہ اس ملک میں اب بھی بہت بڑے بڑے ذخائر موجود ہیں مگر بدقسمتی سے یہ ملک ان ذخائر کے نکالنے اور استعمال کرنے کے قابل نہیں۔ ہونے والی مختلف سرویز سے معلوم ہوا ہے کہ مالی کے کانوں میں 8 ہزار ٹن یورینیم، 2 لاکھ ٹن چاندی، 2 سو ملین ٹن فاسفیٹ، کاونسین جپسم اور مرمر کے پتھر، 4 ہزار ٹن لیتھم اور 53 بلین ٹن کا خوردنی نمک موجود ہے۔ مالی میں تیل اور گیس کی بھی کوئی کمی نہیں جبکہ سونے کے کان تو گنتی سے باہر ہیں۔ مالی کی جغرافیائی حالت یہ ہے کہ مغربی افریقی ممالک کی مارکیٹوں میں جانے والا تیل اور دیگر سامان سارا اسی راستے سے جاتا ہے۔ ان تمام عوامل پر غور کریں تو یہ بات یقینی ہو جاتی ہے کہ مالی پر مغربی جارحیت کا مقصد صرف یہاں کے وسائل پر قبضہ ہے اور بس۔

فرانس نے اس سے قبل بھی مالی پر جارحیت کی تھی اور طویل مدت کے لیے اسے اپنے استعماری پنجوں میں جکھڑے رکھا۔ 1880 میں فرانسیسی فوجیں مالی میں داخل ہوئیں اور اس ملک کو اپنی کالونی بنالیا جو 1940 تک جاری رہا۔ یہ استعماریت کی انتہائی طویل مدت تھی۔ اس عرصے میں ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ مالی کے غریب عوام کی زبان، کلچر اور مذہب سب کچھ بدل جاتا مگر آفرین ہو مالی کے مسلمانوں کے مضبوط ایمان پر جنہوں نے عیسائی مشنریوں کی سخت کوششوں اور فرانسیسی حکومت کے شدید دباؤ کے باوجود اپنا کچھ بھی نہیں بدلا۔ اس ملک میں اب بھی 90 فیصد مسلمان رہ رہے ہیں۔ صرف 1 فیصد عیسائی ہیں جبکہ باقی 9 فیصد افریقا کے پرانے مذاہب کے پیروکار ہیں۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ استعماریت کے گذشتہ 8 عشروں میں مسلمانوں نے اپنا دین بالکل نہیں چھوڑا۔ اگر عیسائی ہوئے ہیں تو وہ افریقا کے پرانے مذاہب کے پیروکار ہیں جنہوں نے عیسائیت قبول کی تھی۔ صرف دارالحکومت اور دیگر شہروں میں بہت کم لوگ فرانسیسی زبان بولتے اور اس میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے فرانسیسی استعماریت کے دنوں میں مغربی کلچر قبول کیا تھا۔ مالی میں انہیں ایلائٹ کہا جاتا ہے۔ استعماریت کے دنوں میں صرف یہی لوگ تھے جو شہری حقوق کے مستحق سمجھے جاتے تھے۔ فرانس نے جاتے ہوئے زمام اقتدار بھی انہیں کے حوالے کیا تھا۔ یہ فرانس کے فکری غلام ہیں۔ کلچر وثقافت کے اعتبار سے یہ لوگ مالی کو فرانس کا حصہ سمجھتے ہیں، عام مسلمان جس کے سخت خلاف ہیں۔ یہی عمل اور رد عمل کئی بحرانوں کا سبب بنا ہے۔ ایلائیٹ کے علاوہ دیگر تمام لوگ اپنی زبان بولتے ہیں اور اسی میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اپنے دین پر مضبوطی سے قائم رہنے کا قوی سبب یہاں کے لوگوں کی دینی علوم سے محبت اور ان علوم کی درسگاہوں کی بڑھتی ہوئی تعداد ہے۔ دنیا کے قدیم ترین جامعات میں مالی کا ٹمبکٹو سان کوری نامی جامعہ بھی ہے جو چودھویں صدی عیسوی سے قائم ہے۔ مالی کے عام مسلمانوں میں حج کے سفر

اور دینی تعلیم کے لیے عرب ممالک کے مدارس کی جانب سفر کا شوق انتہائی تیزی سے بڑھ رہا ہے۔

مالی میں اسلام پسندوں کی تعداد میں اضافہ اور یہاں بڑے معدنی ذخائر کی موجودگی مغرب کی حالیہ جارحیت کا اصل سبب ہے۔ مگر اس کے لیے بہانہ کیا تھا؟ اس کی مختصر کہانی یہ ہے کہ ملک کے شمال میں "ازواد" نامی علاقے کے لوگوں نے گذشتہ ادوار میں اس علاقے کو اپنے لیے ایک آزاد ریاست قرار دیا تھا۔ ان کی آزادی تسلیم تو نہیں کی گئی تھی مگر آزادی کی تحریک بالکل ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ "ازواد" کی آزادی کی اس تحریک سے تحریک آزادی کو اور بھی توانائی ملنے لگی۔ اپریل 2012 میں حریت پسندوں اور فوج کے درمیان جنگ کے بعد آزادی کا مطالبہ کرنے والوں نے "ازواد" کی آزادی کا اعلان کر کے زمام اقتدار اپنے ہاتھوں میں لیا۔ 24 اپریل 2012 کو ازواد کی تحریک آزادی نے "جماعۃ التوحید والجہاد فی غرب افریقا" کے نام سے اسلام پسند تحریکوں کو متحد کر کے اسلامی حکومت کا اعلان کر دیا۔ مگر کسی نے بھی رسمی طور پر انہیں تسلیم نہیں کیا کیوں کہ آزادی کا اعلان کرنے والے مسلمان تھے۔ اگر یہ لوگ غیر مسلم ہوتے تو دنیا دیکھتی کہ کتنی جلدی سے اسے آزاد ریاست کے طور پر متعارف کرایا جاتا۔ انڈونیشیا میں جب عیسائیوں نے بغاوت کی اور مشرقی تیمور کے نام سے اپنی الگ حکومت کا اعلان کیا تو اقوام متحدہ، امریکا اور یورپی دنیا نے نہ صرف رسمی طور پر اسے تسلیم کیا بلکہ قانونی تحفظ بھی دیا کیوں کہ یہ ایک عیسائی حکومت تھی۔ مگر اب جب مالی کے لوگوں نے اسلامی حکومت کا اعلان کیا تو مالی کے صدر کی درخواست پر اقوام متحدہ نے فوراً ہی اسلام پسندوں کے مقابلے کے لیے افریقی اتحاد کی فوجیں بھیجنے کی منظوری دیدی۔ ابھی افریقی اتحاد کی فوجیں بھیجنے کی خبریں گرم تھیں کہ فرانس نے بڑھ کر اپنے پر خلوص نوازشات سے مالی حکومت پر نوازشات شروع کر دیں۔ فرانس نے صلیبیوں کے متفقہ منصوبے کے تحت شمالی شہروں میں اپنی فوجیں اتاریں تاکہ ہوائی قوت کے زور پر ان شہروں کو اسلام پسندوں کے پنجوں سے آزاد کرایا جاسکے۔

میدان جنگ تک فرانسیسی فوجیوں کو لاجسٹک سپوٹ فراہم کرنے کے لیے برطانیہ، بلیجیم اور ڈنمارک نے فرانس کو طیارے دیے اور برقی مواصلات کے سارے انتظامات امریکا نے اپنے ذمے لے لیے۔ فرانسیسی فوجیں دارالحکومت سے 400 کلومیٹر دور شمال میں دویابالی شہر پر قبضہ کرنے کی کوشش میں ہیں۔ انہیں مجاہدین کی سخت مزاحمت کا سامنا ہے۔ فرانسیسی حکومت سمجھتی تھی یہ مختصر سا آپریشن ہوگا جس میں علاقے سے مجاہدین کا صفایا کیا جائے گا۔ مگر 2 ہفتے گذرنے کے باوجود اب تک ایک شہر پر بھی قبضہ کامیاب نہیں ہوا۔ شاید فرانسیسی فوج مجاہدین کے زیر اقتدار علاقوں پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو جائے مگر اپنے قبضے کو دائمی رکھنا اس کے لیے بڑا مسئلہ ہوگا۔ کیوں کہ اگر فرانسیسی فوج طویل عرصے تک یہاں رہے گی تو ان کے جانی نقصانات یقینی ہوں گے کیوں کہ وہ مانیں یا نہ مانیں یہاں مجاہدین اور بھی مضبوط ہوں گے۔ اور اگر طویل مدت تک یہاں نہیں رہیں گے تو لامحالہ انہیں حکومتی فوج کی اس قدر تربیت کرنی ہوگی کہ وہ مجاہدین کا مقابلہ کر سکیں اور یہ دونوں کام حال ہی میں افغانستان سے بھاگے ہوئے فرانسیسی فوجیوں کے لیے انتہائی مشکل ہیں۔ مگر اس ملک سے نکلنا اب فرانسیسی فوج کے لیے آسان بھی نہ ہوگا اور فرانس اب ایک بار پھر بڑی رسوائی سے دوچار ہونے والا ہے۔

مالی میں موجود ذخائر کو نگلنے اور یہاں کے مسلمانوں کے خاتمے اور مغربی کلچر کو وسعت دینے کے لیے ساری مغربی دنیا اب یہاں آنا چاہتی ہے مگر اپنے اہداف اور مادیات کے پیچھے پاگل مغربی صلیبیوں کو یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ انہیں اپنا کوئی بھی مقصد حاصل نہیں ہوگا۔ جہاں تک اسلام سے ان لوگوں کو ہٹانے اور مغربی کلچر کو وسعت دینے کی بات ہے تو اس وقت جب مالی کے عوام میں کوئی اسلامی بیداری نہیں تھی تب بھی فرانس اپنی کوششوں میں کامیاب نہیں ہوا۔ تو اب جب مالی کے عوام میں مذہبی بیداری جاگ گئی ہے، اپنے دین اور مذہب سے محبت یہاں تک ہے کہ انہوں نے جہاد کا آغاز کر دیا ہے تو اب کیسے وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ذخائر پر قبضے کی خواہش بھی پوری نہیں کر سکیں گے۔ اگرچہ مالی کی زمین ہموار ہے اور مجاہدین کے پاس فوری طور پر وسائل بھی نہیں ہیں۔ مغرب ان کے وسائل کو دیکھتے ہوئے یہ سوچتا ہوگا کہ بہت جلد انہیں شکست ہو جائے گا مگر یہ مغرب کی بڑی حماقت ہے۔ جہاد جہاں بھی شروع ہوا ابتداء میں کمزور ہی تھا بعد میں اسے قوت ملتی ہے۔ مجاہدین اس ملک میں بھی انشاءاللہ مضبوط ہوں گے نہ جارحیت پسندوں کو آرام نصیب ہوگا اور نہ اس ملک کو لوٹنے میں اتنے کامیاب ہوں گے جس طرح انہوں نے سوچا ہے۔

ان شاء اللہ

خواتین، مغرب اور اسلام

اکرم تاشفین

8 مارچ کو اہل مغرب یوم خواتین مناتے ہیں۔ مغرب کے دیکھادیکھی مسلمانوں میں بھی یہ وبا عام ہے۔ یہ دن خواتین کے حقوق اور ان کی حیثیت اجاگر کرنے کے لیے منایا جاتا ہے۔ یورپ گزشتہ دو صدیوں سے خواتین کے حقوق کا پروپیگنڈا کر رہا ہے۔ عورت کو حقوق دینے کے نام پر اس کے کئی این جی اوز اور ادارے کام کر رہے ہیں۔ اس معاملے میں کیا حقیقت ہے اور کیا فسانہ، آج کی مجلس میں ہم ذرا اس بات کا جائزہ لینے کی کوشش کریں گے۔

اجتماعی معاشرتی صورتحال کو دیکھیں تو انسانی تاریخ میں عورت پر تین ادوار گذرے ہیں۔ پہلا دور قبل از اسلام کا ہے جہاں عورت کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ مرد کے مقابلے میں عورت کو معاشرے کا جزو معطل سمجھا جاتا تھا۔ اس کی تخلیق کا مقصد محض مرد کی خدمت اور چاکری تھی۔ رہن سہن، لباس پوشاک، کھانے پینے غرض ہر معاملے میں وہ مرد کے رحم و کرم پر تھی۔ ادھر وہ دانشور جن کے نظریات کا آج بھی چرچا ہے وہ کبھی تو عورت کو سانپ بچھو قرار دیتے اور کبھی اسے انسان نما حیوان کہتے۔ ان کا کہنا تھا اس کی تخلیق کا مقصد مرد کے لیے بچے پیدا کرنا اور اس کی خدمت کرنا ہے، اسے سارے فساد اور خرابیوں کی جڑ کہا جاتا تھا۔ دنیا کی دو بڑی تہذیبیں روم اور فارس جو دنیا کی متمدن تہذیبیں کہلاتی تھیں وہاں بھی یہی صورتحال تھی، جانوروں کی طرح عورتوں کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ عرب معاشرے میں عورت کو جانوروں سے زیادہ بدتر سلوک کا سامنا تھا، جنسی تسکین کے لیے خواتین کے تبادلے اور کرائے پر لین دین عام تھی۔ بلکہ نکاح کا نام دے کر اسے قانونی جواز بخشا گیا تھا۔ اشرافیہ طبقہ کے لوگ جب چاہتے جہاں چاہتے اور جس کو چاہتے اپنی ہوس کا نشانہ بناتے۔

دوسرا دور جو عورت کی معاشرتی حیثیت کے لیے بہترین دور گذرا ہے وہ اسلام کے ظہور کے بعد کا دور ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت خود ایک انقلاب کے سورج کا طلوع تھا جس کی ضوفشاں کرنوں نے تہذیب، معاشرت، معیشت اور نظام سیاست سمیت ہر گوشہء زندگی کو متاثر کیا۔ اس انقلاب نے عورت کی زندگی کو بھی بدل دیا۔ اسلام نے عورت کے حق میں ایک زوردار انقلاب کا نعرہ لگایا اور دنیا کا رخ بالکل الٹی طرف پھیر دیا۔ عورت کے بارے میں اسلام سے قبل دنیا کی جو منفی سوچ تھی اب اس کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا۔ کوئی یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ عورت کا استحصال اسی طرح سے کیا جا سکے جس طرح اسلام سے قبل کیا جاتا تھا۔ اسلام نے عورت اور مرد کی مساوات کا پیغام دیا اور اس کے لیے جو بنیاد بتایا وہ ایک ماں باپ کی اولاد ہونا تھا، یہ ایسی دلیل تھی جس کا جواب کسی غاصب یا خاتون دشمن تہذیب کے پاس نہیں تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسلام کے اس اعلان کے بعد عورت دنیا میں ایک الگ حیثیت سے متعارف ہونے لگی۔ اسلام نے واضح اور دوٹوک انداز میں کہا: يا أيها الناس اتقوا ربكم الذي خلقكم من نفسٍ واحدةٍ وخلق منها زوجها وبث منهما رجالًا كثيرًا ونساءً واتقوا الله الذي تساءلون به والأرحام إن الله كان عليكم رقيبًا۔

ترجمہ : اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیے اور اللہ سے ڈرو جس کے ذریعہ تم ایک دوسرے سے مدد طلب کرتے ہو اور رشتوں کا احترام کرو۔ بے شک اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

یہ صرف اعلان نہیں تھا، اسلام نے اپنی تعلیمات میں جہاں ہر گوشۂ زندگی پر روشنی ڈالی وہاں عورت کے حقوق کے حوالے سے بھی واضح ہدایات دیں۔ معاشرے اور گھر میں اس کی ہر حیثیت سے الگ تلگ راستہ متعین کیا۔ مرد کو اپنی تعلیمات کے ذریعے پابند بنایا اور اسے عورت کی احترام کا درس دیا۔ انہی تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ اسلام اور اسلامی نظام کے دور عروج میں عورت گھر کی ملکہ بن گئی۔ اس کے احترام اور تقدس میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ اسلام نے حقوق تو مرد و عورت کے ایک ہی بتائے مگر تخلیق اور مجموعی جسمانی صلاحیتوں میں فرق کو ملحوظ رکھ کر ان کی ذمہ داریاں الگ الگ کر دیں۔ مرد کو فکر معاش دیا اور عورت کو گھر سنبھالنے کی ذمہ داری دی۔ اسلام نے کہا وقرن في بيوتكن۔ اپنے گھروں میں ٹکی رہو۔ گھر اور باہر کی دنیا میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ دنیا میں بڑے بڑے اور انتہائی مشکل کام سرانجام دیے جاتے ہیں جبکہ گھر میں صرف متوازن نظم وضبط قائم رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ قرن في بيوتكن کا مطلب ہرگز اسلام نے یہ نہیں بتایا کہ گھر میں معطل ہو کر رہ جائے۔ تاریخ اسلام میں ایسی سینکڑوں خواتین گزری ہیں جنہوں نے علم و فن کی دنیا میں کمال حاصل کیا اور تاریخ میں اپنا نام درج کروایا۔

تیسرا دور یورپ کے معاشی انقلاب کے بعد کا ہے۔ آسمانی ہدایات سے محروم مغرب پر سائنس اور معیشت کے دروازے جب وا ہوئے تو اس نے سرمایے اور دولت کے حصول کے لیے کسی بھی ذریعہ کے استعمال سے دریغ نہیں کیا۔ چونکہ نصف انسانی آبادی عورتوں پر مشتمل ہے اس لیے صنعت کاروں کو اتنی بڑی انسانی آبادی کا "بیکار" رہنا گوارہ نہیں تھا۔ صنعتوں کو ورکرز مہیا کرنے لیے جو بڑی پریشانی تھی اس کا ایک اچھا حل یہی تھا کہ عورتوں کو بھی کارخانوں میں ملازم رکھا جائے۔ چونکہ اس وقت تک اسلام کے دور عروج کے اثرات تھے، یورپ میں بھی اسلامی تہذیب رائج تھی اور خواتین میں گھر سے باہر نکل کر کام کرنے کا رواج نہ تھا اس لیے عورت کو گھر سے نکالنے سب سے پہلے عورت اور مرد کی برابری کا نعرہ لگایا گیا۔ خواتین کو گھروں سے نکال کر مردوں کے شانہ بشانہ کھڑے ہونے کا نعرہ دیا گیا۔ اسلام نے حقوق تو پہلے ہی برابر دیے تھے یورپ نے ذمہ داریوں اور مشقتوں میں برابر کی تقسیم کر ڈالی۔ اس کا ایک نقصان تو خود عورت کو ہوا وہ یہ تھا کہ گھر اور بچوں کی ذمہ داریوں کے ساتھ اسے باہر کی دنیا بھی سنبھالنی پڑی۔ دوسرا نقصان معاشرے کو ہوا وہ یہ کہ معاشرے میں مرد وزن کا اختلاط عام ہو گیا۔ مرد وزن کے عام اختلاط نے معاشرتی روایات کے ساتھ اخلاق، حیا اور شرافت کے اقدار کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ داناؤں کا کہنا ہے کہ عورت کی آزادی چاہنے والے دراصل عورت تک پہنچنے کی آزادی چاہتے ہیں۔ یورپ آج جس اخلاقی اور خاندانی نظام کی تباہی سے دوچار ہے اس کا اندازہ اسے آج سے قبل نہیں تھا۔ آج یورپ میں پھر سے اس فلسفے پر زور دیا جاتا ہے کہ com beak to home۔ گھر کی طرف واپس آؤ۔ اب عورت نامی چڑیا ان کے پنجرے سے نکل چکی ہے اور وہ اس کوشش میں ہیں کہ عورت کو پھر سے گھر کی طرف لا کر یورپ میں مزید خاندانی نظام اور اخلاقیات کو بچایا جاسکے۔ کنواری مائیں، بغیر باپ کے بچے اور ایسی گرل فرینڈز جن کو ان کے مرد دوستوں نے ہوس کا نشانہ بنانے کے بعد عمر کے زوال کے ساتھ دوستی ختم کر کے بیگانہ کر دیا کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے۔ یورپ نظام فطرت سے بغاوت کے بعد سلو پوائزن تباہی کا شکار ہوا ہے۔ اس تباہی کا اثر دھیرے دھیرے ہوتا رہا اب تباہی کا حال یہ ہے کہ یورپ ایک اندھی کائی میں گرنے کو ہے اور اس کا گرنا یقینی بھی ہے مگر بچنے کا راستہ سوائے واپسی کے کچھ نہیں۔

عورت کے معاشرتی مقام پر گزرنے والے تین ادوار کا سرسری جائزہ لینے کے بعد اب تقابل کی باری آتی ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ اسلام کے ظہور سے پہلے کا دور بھی غیر مسلم اقوام اور مذاہب کا دور تھا جبکہ یورپ کے معاشی انقلاب کے بعد کا دور بھی غیر مسلم مغربیوں کا دور ہے۔ درمیان میں اسلام کے ظہور کے بعد اس کی تعلیمات کا انقلابی دور ہے۔ ہم خواتین کے حقوق کے حوالے سے اسلامی تعلیمات اور روشن انقلاب کا تقابل قبل از اسلام کے ساتھ نہیں کرتے کیوں کہ وہ تو خود یورپ کے ڈارک ایجز سے بھی پہلے کا دور ہے۔ اس دور کی بڑی تہذیبیں آج بالکل نیست ونابود ہیں یا انہیں آج اپنی پرانی تہذیب پر فخر ہی نہیں رہا۔ اس لیے اصل تقابل یورپ کے موجودہ ترقی یافتہ دور سے ہے۔ یورپ کو اپنی جس تہذیب، اخلاق اور ترقی کے دور پر ناز ہے اور جس میں وہ خواتین کے حقوق کا انتہائی زیادہ پروپیگنڈا کر رہا ہے ہم اسلام کی روشن تعلیمات اور دیے گئے حقوق کا تقابل اس دور سے کریں گے۔

حقوق نسواں کے حوالے سے یورپ کے تمام تر پروپیگنڈے پر سوچا جائے تو اس کا خلاصہ دو باتیں سامنے آتی ہیں جس کی بنیاد پر وہ اسلام اور اسلامی تعلیمات کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں:

1: حجاب اوڑھنے کی پابندی۔

2: عورت کو گھر کی چار دیواری تک محدود کر دینا، ان کے گھروں سے نکلنے اور ملازمت کرنے پر پابندی عائد کرنا۔

دونوں نکتے بظاہر الگ نظر آنے کے باوجود ایک ہی ہیں کیوں کہ عورت کے گھر سے نکلنے کی حوصلہ شکنی کرنا اس کا باعث دراصل اسے حجاب ہی میں رکھنا ہے۔ مغرب نے اپنے ناقص مذہب اور پوپ سے آزادی حاصل کرنے کے بعد جمہوریت اور سیکولرازم کو اپنا شعار بنایا۔ ہر بات اور ہر معاملے پر اسی زاویے سے سوچنا شروع کیا۔ ان کے ہاں جمہوریت اور سیکولرازم ہی ہر مسئلے کا حل ہے۔ عوامی خواہشات اور اکثریت کی مرضی ہی ہر معمے کا حل بن کر سامنے آیا۔ خواتین کی آزادی پر بھی اس نے اسی حوالے سے نعرہ بلند کیا۔ اسلام میں چونکہ جمہوریت کی اجازت اپنے اس معروف اصطلاح اور رائج طریقہ کار کے ساتھ نہیں ہے اس لیے فطری طور پر یہاں یورپی پروپیگنڈے اور اسلامی تعلیمات میں تضاد آگیا۔ جس یورپ نے اسلامی تعلیمات کو بلا جھجک تاریک خیالی اور سخت گیری کا طعنہ دینا شروع کیا۔ اسلام نے خواتین کے جاب اور حجاب کے حوالے سے کیا تعلیمات دی ہیں اس سے یکسر صرف نظر کر کے صرف اس بات پر زور دیا گیا کہ اسلام حجاب کے ذریعے خیمے نما لباس میں اسے قید اور گھر میں بٹھا کر دراصل نظر بند کرنا چاہتا ہے۔ یورپی مغربی یا ان سے متاثر ہمارے مسلمان دانشوروں نے اس حوالے سے خوب خوب لفاظیاں کیں۔ الفاظ کے جادو جگا کر ایسا سماں باندھا گیا کہ جس میں مسلمان عورت کو انتہائی مظلوم، مقہور اور مرد کو انتہائی جابر و ظالم ظاہر کیا گیا۔

دراصل خرابی کی جڑ بھی یہی ہے۔ وہ عورت جو اس سے قبل مرد کے لیے شریکہ حیات بن کر اسے سہارا دیتی۔ ماں جو ہر وقت مرد کو اپنی دعاؤں کے حصار میں رکھتی۔ بہن اور بیٹی جس کی محبت اپنے بھائی اور باپ کے گرد ہالہ بن کر رہتی ہے، یورپ کے شاطر دماغ ساہوکاروں نے سب سے پہلے اسے مرد کے مقابلے میں کھڑا کر دیا۔ بلا کسی وجہ اسے یہ احساس دلایا جانے لگا کہ عورت اور مرد ایک دوسرے کے معاون نہیں بلکہ مخالف فریق ہیں حالانکہ یہ بات اسلامی تعلیمات

کے صریح خلاف ہے۔ قرآن مجید نے صاف فرمایا: هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عورت تمہارے لیے ستر ہے اور تم ان کے لیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: النساء شقائق الرجال۔ عورتیں مردوں کے شریک کار ہیں۔

عورت کو مرد کا مقابل فریق بنانے سے ہی خرابی کا آغاز ہو۔ عورت کے سامنے سماج، روایات، ماحول اور مرد کو ایک خوفناک بھوت بنا کر پیش کیا گیا جو صدیوں سے عورت کے حقوق پر قبضہ کیے بیٹھا ہے۔ سماج، معاشرہ اور روایات سے بغاوت دراصل اسے مذہب سے بغاوت کا درس دینے کی تمہید تھی۔ اس لیے اگلا قدم مذہب پر پڑا اور صرف حجاب اور وقرن فی بیوتکن {اپنے گھروں میں قرار پکڑو} کے حکم کی وجہ سے پورے مذہب کو عورت کا مجرم قرار دیا گیا۔ اور یہیں سے سیکولرازم کے لیے راہیں ہموار کی گئیں۔ آج بھی این جی اوز اور دیگر مختلف اداروں سے وابستہ خواتین جو عورت کی آزادی کے لیے کوششیں کرتی ہیں وہ خود سیکولر اور جمہوریت پسند کہلواتی ہیں۔ اسلام نے اپنے ظہور کے بعد عورت کو مرد کے برابر حقوق دلا کر مرد کے دل میں اس کی جو وقعت بٹھائی تھی، جو احترام دلوایا تھا اور جو محبت اور اتحاد کا معاشرہ تشکیل دیا تھا مغرب نے عورت کو معاشرتی و خاندانی روایات اور ماحول سے بغاوت پر اکسا کر معاشرتی نظام تباہ کر کے رکھ دیا۔ معاشرتی تباہی کے بعد اگلا نمبر عورت کو گھر سے نکالنے کے تھا۔ بغاوت پر آمادہ عورت باہر نکلی تو اسلام کا حکم حجاب بھی ناقابل عمل قرار دے دیا گیا۔ اب حجاب اور گھر سے نکلنے سے کیا خرابیاں پیش آئیں وہ ہم آج اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ آیئے ذیل اس کا بھی جائزہ لیتے ہیں۔ بے حجابی اور گھر چھوڑ کر مرد کے شانہ بشانہ کھڑے ہو کر کام کرنے کی تحریک یورپ میں زیادہ کامیاب ہوئی۔ مرد وزن سرمائے کی دوڑ میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لیے اندھا دھند دوڑے چلے جارہے تھے۔ مرد تو فطری طور اس کام کا اہل تھا اس لیے اسے کوئی مشکل پیش نہ آئی مگر مرد کی طرح کام کرنا عورت کے لیے انتہائی مشکل ہو گیا۔ پیچھے گھر بار اور بچوں کی ذمہ داریاں تھیں جو ادھوری رہ گئیں۔ خاندان میں وفاق کی علامت عورت ہوتی ہے جس کے گرد بچے جمع ہوتے ہیں۔ عورت کی گود ہی بچوں کی تربیت کا پہلا مکتب ہوتا ہے، خاندانوں میں میل جول بڑھانے میں عورت کا کردار زیادہ ہوتا ہے۔ گھر میں عورت کا وجود زندگی کی علامت ہوتا ہے، اسی سے گھر میں رونق ہوتی ہے۔ سارا خاندانی نظام اسی اکائی سے شروع ہوتا ہے اس لیے جب عورت گھر سے نکلی اور دنیا بھر کی مصروفیات نے اسے جکڑا تو اس کے لیے بچوں، رشتہ داروں، امور خانہ داری اور گھر کی سجاوٹ کے لیے وقت نہیں رہا جس سے خاندانی نظام تباہ ہو گیا۔ میاں بیوی کی دوریاں، نفرتیں، ضد اضدی اور اختلاف شدید سے شدید تر ہوتے گئے اور پھر نتیجہ طلاق پر پہنچا۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں مغرب میں جب یہ کلچر عام ہوا تو طلاق کی شرح بھی بڑھ گئی۔ مغربی عورت گھر سے نکل کر شمع محفل بنی تو بھی وہاں راہ ہموار نہیں تھی۔ مردوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کا اسے نقصان بھی بہت ہوا۔ عزت، احترام، تقدس سب کچھ ہار کر بیٹھ گئی۔ مرد اور عورت کا تعلق بڑھا تو جنسی بے راہ روی بھی عام ہو گئی۔ زنا بالرضا اور زنا بالجبر کے واقعات روز کا معمول بن گئے۔ بن باپ کے بچے اور کنواری ماں کا رواج عام ہو گیا۔ آخر کار اخلاقی، معاشرتی اور خاندانی تباہی اس حال پر پہنچی کہ اب یورپ میں یہ سب کچھ عیب بھی نہیں۔ والدین کو بچوں کی ایسی سرگرمیوں پر کوئی اعتراض یا کسی قسم کی ناپسندیدگی بھی نہیں ہوتی۔ یہی وہ وجوہات تھیں جن کے باعث یورپ خاندانی نظام کی تباہی سے دوچار ہو گیا۔ اعداد وشمار کے حوالے سے دیکھیں اگر ہم حقائق اور اعداد وشمار کی روشنی میں مغربی معاشرے میں عورت کے حقوق کا جائزہ لیں تو انتہائی مایوس کن صورت حال سامنے آتی ہے۔ خاندان جو کسی بھی معاشرے میں انسان کے تحفظ ونشو ونما کی اکائی کی حیثیت رکھتا ہے۔ عورت کے عدم تقدس اور عدم احترام کے باعث مغربی معاشرہ شکست وریخت کا شکار ہے جس کا لازمی شکار عورت ہی بنتی ہے۔ ذیل میں ایک معروف انگریزی ویب سائٹ سے ایک چارٹ لے کر پیش کیا جارہا ہے۔ جس سے آپ حال ہی میں گذرنے والے سال 2012ء میں اکثر مغربی ممالک میں واقع ہونے والے طلاق کی مجموعی شرح معلوم کر سکتے ہیں۔

Rank	Country ممالک	Percent
1	India انڈیا	1.1
2	Sri Lanka سری لنکا	1.5
3	Japan جاپان	1.9
4	Republic of Macedonia مقدونیا	5.0
5	Bosnia and Herzegovina بوسنیا	5.0
6	Turkey ترکی	6.0
7	Armenia آرمینیا	6.0
8	Georgia جارجیا	6.6
9	Italy اٹلی	10.0
10	Azerbaijan آذربائیجان	10.3
11	Albania البانیا	10.9
12	Israel اسرائیل	14.8
13	Spain سپین	15.2
14	Croatia کروشیا	15.5
15	Greece روم	15.7
16	Singapore سنگاپور	17.2
17	Poland پولینڈ	17.2
18	Romania رومانیا	19.1
19	Slovenia سلوانیہ	20.7
20	Bulgaria بلغاریہ	21.1

21	Switzerlandسوئیزرلینڈ	25.5
22	Portugalپرتگال	26.2
23	Slovakiaسلواکیہ	26.9
24	Moldovaمالدووا	28.1
25	Latviaلیٹویا	34.4
26	Canadaکینیڈا	37.0
27	Hungaryہنگری	37.5
28	Netherlandsنیدرلینڈ	38.3
29	Franceفرانس	38.3
30	Lithuaniaلٹوانیہ	38.9
31	Germanyجرمنی	39.4
32	Icelandآئس لینڈ	39.5
33	Ukraineیوکرائن	40.0
34	Norwayناروے	40.4
35	United Kingdomبرطانیہ	42.6
36	Russiaروس	43.3
37	Czech Republicزیورخ	43.3
38	Austriaآسٹریا	43.4
39	Belgiumبیلجیم	44.0
40	Denmarkڈنمارک	44.5
41	Estoniaاسٹونیا	46.7
42	Luxembourgلکسمبرگ	47.4
43	Finlandفن لینڈ	51.2
44	Belarusبیلاروس	52.9
45	United Statesریاست ہائے متحدہ امریکہ	54.8
46	Swedenسویڈن	54.9

اثرات صرف نوجوانوں پر ہی نہیں بلکہ بچوں پر بھی نمایاں ہوتے ہیں۔ National Center for Health Statistics کے 1988 کے جائزے کے مطابق Single-Parents خاندانوں (طلاق یافتہ اور بغیر شادی کے بننے والے والدین) کے بچے عدم دلچسپی کے باعث سکول کی تعلیم سے محروم رہتے ہیں اور لڑکیاں زندگی کی دوسری دہائی میں ہی حاملہ ہو جاتی ہیں جبکہ اکثر منشیات کے عادی بھی ہیں۔ معروف سماجی سائنسدان Nicholas Nill نے 1993ء میں ایک رپورٹ میں لکھا کہ طلاق یافتہ والدین کے بچے نہ صرف اقتصادی مشکلات کا شکار رہتے ہیں بلکہ تعلیم کی محرومی اور نفسیاتی پیچیدگیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ لاس اینجلس کے ایک عوامی سروے کے مطابق 69 فیصد امریکی طلاق کے مضر اثرات کے ازالہ کی سبیل مستحکم خاندانی نظام کو قرار دیتے ہیں۔

بچوں پر طلاق کے اثرات صرف تعلیمی، نفسیاتی یا اقتصادی ہی نہیں۔ سماجی سائنسدان Sara S. McLanahan کے مطابق وہ لڑکیاں جو اپنا بچپن اور لڑکپن طلاق یافتہ والدہ کے ساتھ گزارتی ہیں مستقبل میں ان کے اسی منہج پر زندگی گزارنے کے 100 فیصد سے 150 فیصد تک امکانات دیکھے گئے ہیں۔ مغربی معاشرے کی عورت صرف سماجی یا معاشرتی سطح پر ہی انحطاط کا شکار نہیں بلکہ ظاہراً معاشی و اقتصادی آزادی کی حامل ہوتے ہوئے بھی استحصال سے دوچار ہے۔ اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ میں مغربی عورت کی معاشی و اقتصادی حالت کا جائزہ یوں پیش کیا گیا:

Women constitute half the world's population; perform nearly two third of its work hours, receive 1/10th of the world's income, & own less than one hundredth of the world's property.-

"دنیا کی نصف آبادی عورتوں پر مشتمل ہے، دنیا کے دوتہائی کام کے گھنٹوں میں عورت کام کرتی ہے مگر اسے دنیا کی آمدنی کا دسواں حصہ ملتا ہے۔ اور وہ دنیا کی املاک کے سوویں

یہاں ضرورت تو اس بات کی ہے کہ تمام مغربی ممالک کی شرح طلاق کا مکمل گراف پیش کیا جائے مگر مشت نمونہ از خروار پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔ اس لیے آپ ذیل میں صرف امریکہ میں 2012ء سے پہلے چھ دہائیوں میں رہنی والی شرح طلاق کی فہرست ملاحظہ کریں۔ طلاق کی اتنی بلند شرح کے

حصہ سے بھی کم کی مالک ہے۔" {نوٹ: مندرجہ بالا اعداد و شمار ایک معروف مصنف کی کتاب اور مختلف تحقیقی ویب سائٹس سے لیے گئے ہیں۔}

مغربی مفکرین اپنی تہذیب کی بقا کے لیے پھر سے اس بات پر مجبور ہیں کہ اپنے معاشرے کو پھر سے پرانے خطوط پر استوار کردیں۔ مفکرین اور دانشور نوجوانوں خصوصاً خواتین کو اختلاط اور آزادی سے روکنے کا درس دے رہے ہیں مگر مغرب کے آوارہ نوجوان اپنی ہوس میں مست سنجیدہ طبقے کی بات سننا بھی گوارہ نہیں کرتے۔ یورپ اور امریکہ میں اب ایک بار پھر عورت کو گھر واپس آنے کی ترغیب دی جارہی ہے۔ پھر سے سیمینارز اور شوز میں یہ بات سمجھانے کی کوشش کی جارہی ہے کہ بچوں کی تربیت کے لیے ماں کا گود پہلا سکول ہے، بچوں کی تربیت پر توجہ دینے کی ترغیب دی جارہی ہے۔ ماں کے دودھ سے زیادہ بچوں کے لیے کوئی مفید غذا نہیں یہ بات سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اب یہ کوششیں کہاں تک کامیاب ہوتی ہیں اور مغرب کیسے پرانی روش پر آتا ہے اس میں تو شاید ایک صدی سے بھی زائد کا عرصہ لگے مگر مسلمان ممالک میں اب بھی ان کے ادارے انہیں کوششوں میں مصروف ہیں۔ ہمارے مغرب پسند مسلمان اب بھی اسی تاریک فکری کا شکار ہیں۔ دوسری طرف عورت ہے کہ مغرب کی چکاچوند روشنیوں نے جس کی آنکھیں خیرہ کردی ہیں۔ مغرب کی نقالی میں اسے اپنی عزت نظر آتی ہے۔ مغرب نے اپنے جنسی خواہشات کی تکمیل اور کاروبار چمکانے کے لیے عورت کو جنس بازار بنادیا۔ اس کے بدن سے لباس کی تہیں اتاری جانی لگیں۔ اب بازاروں، شاپنگ سینٹرز، سائن بورڈز پر عورت جہاں تک ہوسکے ننگی دکھائی جاتی ہے جبکہ دوسری طرف مرد ہے کہ تھری پیس سوٹ میں ملبوس ہوتا جارہا ہے۔ مرد مغرب کی نقالی میں سخت گرمی میں کوٹ پہننا نہیں چھوڑتے جب کہ عورت یخ بستہ موسم میں بھی لباس کو مختصر سے مختصر کرنے پر اصرار کررہی ہے۔ مغرب کی تباہی کا جو مختصر نقشہ مندرجہ بالا اعداد و شمار میں پیش کیا گیا ہے ان سب کا باعث یہی ماحول ہے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ دوسری طرف اسلامی تعلیمات پر نظر دوڑائیں تو اسلام نے عورت کو اس کے حقوق تو تمام کے تمام دیے ہیں۔ تعصب سے پاک ذہن رکھ کر سوچا جائے تو مرد کے مقابلے میں عورت پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا گیا نہ اس کے حقوق میں کوئی کمی کی گئی۔ اسلام نے حقوق میں کمی تو کیا عورت پر اتنے احسانات کیے کہ اس کا شکر یہ عورت ذات قیامت تک ادا نہیں کرسکتی البتہ مغرب کے ذمہ انسانیت کا یہ سوال قرض ہے کہ مغرب نے عورت کو گھر سے نکال کر جب انسانیت کو ایک نئی مصیبت اور تباہی میں جھونکا تو اس جرم کا حساب کس سے لیا جائے۔ اس تباہی کا ذمہ دار کون ہوگا۔ مغرب کو عدالت کے کٹہرے میں کھڑا ہونا ہوگا، جس سے ساری انسانیت سوال کرے گی کہ اس نے عورت کی آزادی کے نام پر انسانیت کو ایک نئے بحران سے دوچار کیوں کیا۔ بہر حال آیئے عورت کے حقوق کی تفصیلی فہرست ذیل میں ملاحظہ کیجیے۔ ذیل میں دیا گیا ہر عنوان قابل بحث ہے۔ دلائل کی ایک دنیا ہے مگر طوالت کے باعث قصداً احتراز کیا جارہا ہے۔

1. عورت کے انفرادی حقوق
   - عصمت وعفت کا حق
   - عزت اور رازداری کا حق
   - تعلیم و تربیت کا حق
   - حسن سلوک کا حق
   - ملکیت اور جائیداد کا حق
   - حرمتِ نکاح کا حق
2. عورت کے عائلی حقوق
   - ماں کی حیثیت سے حق
   - بیٹی کی حیثیت سے حق
   - بہن کی حیثیت سے حق
   - بیوی کی حیثیت سے حق
3. عورت کے ازدواجی حقوق
   - شادی کا حق
   - خیارِ بلوغ کا حق
   - مہر کا حق
   - حقوق زوجیت
   - کفالت کا حق
   - اعتماد کا حق
   - حسن سلوک کا حق
   - تشدد سے تحفظ کا حق
   - بچوں کی پرورش کا حق
   - خلع کا حق
4. طلاق کے بعد عورت کے حقوق
   - مہر کا حق
   - میراث کا حق
   - حضانت کا حق
5. عورت کے معاشی حقوق
   - وراثت کا حق
   - والدین کے مالِ وراثت میں حق
   - شوہر کے مالِ وراثت میں حق
   - کلالہ کے مالِ وراثت میں حق

6. عورت کے قانونی حقوق

- قانونی شخصیت(legal person)ہونے کا حق
- گواہی کا حق

جہاں تک مغرب کے اس اعتراض کا تعلق ہے کہ گھر میں رہنے سے عورت کا کردار محدود ہو جاتا ہے۔اسلام عورت کے کردار کو محدود کرتا اور اس کی ترقی کی راہیں مسدود کرتا ہے ۔ تو عرض ہے کہ عورت کی جسمانی اور ذہنی صلاحتیں فطری طور پر ہیں ہی ایسی کہ جس کی وجہ سے اس کے لیے نمایاں کارنامہ انجام دینا مشکل ہوتا ہے۔البتہ ایسا بھی نہیں اسلامی تاریخ میں ایسی خواتین رہی ہیں جن کو اللہ تعالی نے ذہانت اور صلاحیتوں سے نوازا تھا اور انہوں نے علوم وفنون کے میدان میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیے کہ جس کا تصور بڑے بڑے مردوں کے لیے مشکل ہے۔ان کے کمالات کے سامنے بڑے بڑوں کی نگاہیں جھک جاتی ہیں۔ اسلام کے دور عروج میں ایسی خواتین کا وجود اور ان کے ایسے نمایاں کارنامے،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام خواتین کی کتنی حوصلہ افزائی کرتا ہے ذیل میں ہم چند خواتین صحابیات کی فہرست پیش کریں گے جنھوں نے اپنے علوم وفنون میں اس وقت ترقی کی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم حیات تھے اور صحابہ کرام وہ ہستیاں تھیں جو دین کے کاموں میں بال برابر کمی بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے ایک موقع پر فرمایا: "ہم زندہ ہوں اور دین میں کمی کی جائے ایسا نہیں ہو سکتا"۔ صحابہ کرام کے ایسے مضبوط ایمان اور دین پر عمل کے باوجود ایک دو نہیں کئی کئی خواتین کا علوم وفنون میں کمال حاصل کرنا اور تاریخ میں اپنا نام صاحب فن کی حیثیت سے رقم کروانا،اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام ترقی کے لیے خواتین کی کتنی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ان امہات المومنین، صحابیات اور دیگر نامور خواتین کی فہرست ملاحظہ کیجیے جنہوں نے علوم وفنون اور مختلف مناصب پر رہ کر کمال حاصل کیا۔

نمبر شمار	نام	کردار شہرت
1	اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا	روایتِ حدیث، فقہ و قانون، تاریخ، علم الانساب، شعر، طب
2	اسماء بنت ابی بکر	روایتِ حدیث
3	اُم عبد اللہ بن زبیر	روایتِ حدیث
4	شفاء العدویہ	قرات وکتابت کی ماہر، ام المومنین حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا کی {قبل از شادی} معلمہ
5	عائشہ بنت طلحہ	شعر وادب، علم الافلاک کی ماہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شاگرد و بھانجی
6	سکینہ بنت حسین رضی اللہ عنہما	شعر وادب کی ماہرہ
7	ولادہ بنت سکنی الیادی	شعر وادب کی ماہرہ
8	علیہ بنت مہدی	شعر وادب کی ماہرہ
9	حمرہ بنت زیادت	شعر وادب کی ماہرہ
10	خنساء	شعر وادب کی ماہرہ
11	عائشہ الباعونیہ	شعر وادب کی ماہرہ
12	میمونہ بنت سعد	روایتِ حدیث {حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے روایت کی ہے}
13	کریمہ مروزیہ	روایتِ حدیث، امام بخاری نے ان سے اخذ حدیث کیا۔
14	ام فضل کریمہ بنت عبد الوہاب	محدثہ، مؤرخ محمد بن ابی شامہ کی (علم حدیث میں) معلمہ
15	فاطمہ بنت عباس	عالمہ، فقیہہ، واعظہ، مصر و دمشق میں بڑا اثر تھا۔
16	فاطمہ حمرانیہ	محدثہ
17	اخت مزنی	امام شافعی سے کسبِ علم کیا، مزنی نے ان سے مسائل زکوٰۃ بیان کئے۔
18	نفیسہ بنت حسن بن زید بن حسن بن علی بن ابی طالب	عالمہ
19	ہجیمہ بنت حیؓ	تابعین میں سے ہیں، محدثہ، ترمذی وابن ماجہ نے ان سے روایت کی۔

20	فخر النساء سیدہ شہیدہ {5ھ}	ادب اور تاریخ اسلامی کی ماہرہ اور معلمہ
21	سیدہ عائشہ بنت احمد بن قادم اندلسیہ	عالمہ، فاضلہ، ماہر کتابت
22	لبنی	لغت و نحو کی عالمہ
23	فاطمہ بنت علی بن حسین بن حمزہ	فقہ حنبلی کی ماہرہ، معاصر علماء نے ان سے قراۃ کی اور سند دارمی کی اجازت لی۔
24	رابعہ قسیسہ عدویہ	واعظہ، حسن بصری نے بھی ان سے استفادہ کیا۔
25	سارہ بنت عمر بن عبد العزیز	محدثہ
26	ام ایمن حبشیہ	عالمہ، فاضلہ
27	شفاء بنت عبد اللہ عدویۃ	روایت حدیث کی ماہرہ
28	درہ بنت ابی لہب	محدثہ، شاعرہ
29	فاطمہ بنت قیس	عالمہ، فقیہہ
30	اسماء بنت ابی بکر	علم طب کی ماہرہ
31	فریعہ بنت مالک	محدثہ، مجاہدہ
32	سلمی بنت قیس انصاریہ	علم طب کی ماہرہ
33	زینب بنت ابی سلمہ	محدثہ، فقیہہ، عالمہ
34	ام کلثوم بنت عقبہ امویہ	کاتبہ، قاریہ، راویہ و محدثہ
35	صفیہ بنت عبد المطلب	شاعرہ
36	ام سنان اسلمیہ	محدثہ
37	ام فضل بنت حارث	محدثہ، راویہ، فقیہہ۔
38	سیدہ شریفہ فاطمہ	یمن، صنعاء و نجران کی والیہ۔
39	شفاء بنت عبد اللہ مخزومیہ	حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں عدالتی ذمہ داری، قضاء الحسبہ (accountability court) اور قضاء السوق (market administration) پر فائز کیا۔
40	ام خلیفہ مقتدر	سربراہ محکمہ استئناف (appellant court)، بغداد
41	سیدہ اروی بنت احمد بن محمد	5ھ کے اواخر میں یمن کی حاکمہ تھیں، "الملک الاکرم" کی زوجہ۔
42	سیدہ حنیفہ خاتون	سلطان صلاح الدین کی بھتیجی 634ھ میں حلب کی والیہ رہیں۔
43	80 سے زائد خواتین محدثات	ابن عساکر نے ان سے روایت کی۔

خلاصہ کلام:

مغرب میں بھی آج اگر عورت کو مندرجہ بالا حقوق حاصل ہیں تو وہ اسلام کے طفیل ہیں۔ رہی بات آزادی بلکہ صحیح کہا جائے تو آوارہ گردی کی تو اس بارے میں آپ نے اوپر ایک نمونہ ملاحظہ کر لیا ہے کہ اس سے مغرب میں کس قدر تباہی ہوئی ہے۔ یہ کوئی حق نہیں بلکہ استحصال کا ایک طریقہ ہے۔ عورت کی جسمانی و دماغی صلاحتیں فطری طور پر ایسی ہیں کہ جو انہیں حکومت، بھاری حکومتی ذمہ داریاں اور مغز خوری کے معاملات نبھانے کے قابل نہیں چھوڑتیں۔ خود یورپ جو عرصہ سے اس تحریک کا میدان رہا ہے وہاں بھی مارگریٹ تھیچر کے علاوہ کوئی بڑی خاتون نہیں گذری جو کسی ملک کی حکمران رہی ہو۔ 200 سال کا عرصہ گزرنے کے بعد اب یورپ خود بخود فطری نظام کی طرف لوٹ رہا ہے۔ اسے لوٹنا بھی چاہیے کیوں کہ اس نے اپنے بنائے ہوئے اصولوں پر چل کر تباہی دیکھ لی ہے۔ اسلام کا نظام فطرت ہی انسانیت کی بقا کا ضامن ہے خواہ اسے کسی بھی عنوان سے اپنایا جائے۔

کمانڈر مولانا حضرت محمد مجاہد شہید رحمہ اللہ کا ذکر خیر

مولانا حضرت محمد مجاہد شہید کے والد نام سید حسین تھا۔ آپ کی ولادت صوبہ لغمان ضلع بادپش کے گاوں شاہ گلیاتو میں ہوئی۔ انتہائی کم عمری ہی سے انہیں جہاد سے محبت تھی۔ فطری طور پر ہی غیور، بہادر اور بھرپور عزم کے مالک تھے۔ زمانہ طالب علمی ہی سے روسی جارحیت کے خلاف مولانا جلال الدین حقانی صاحب اطال اللہ عمرہ کی قیادت میں خوست کے کئی محاذوں پر جنگوں میں شریک ہوئے، خوست کی فتح میں بھی انہوں نے بھرپور حصہ لیا۔ افغانستان میں روس نواز ڈاکٹر نجیب کی حکومت کے خاتمے کے بعد تنظیموں اور لیڈروں کے درمیان آپس کی لڑائیاں شروع ہوئیں جس سے افغانستان شر وفساد کی الاؤ میں ایک بار پھر بھڑکنے لگا، طالبان نے مجبوراً گوٹ مار کی روک تھام کے لیے جہاد کا آغاز کیا۔ اس وقت حضرت محمد مجاہد قندھار سے کابل کی فتح تک تحریک اسلامی طالبان کی چھتری تلے جہاد میں شریک رہے۔ وہ بعض بڑے اسلحے چلانے میں خصوصی مہارت رکھتے تھے۔ حضرت محمد مجاہد صاحب نے جہاد میں دیگر تکالیف اور آزمائشوں کے ساتھ جنرل دوستم کے وحشیانہ مظالم بھی اٹھائے۔ وہ کبھی کبھی واقعات سناتے کہ جب طالبان مجاہدین نے دوستم کی ضمانت پر ہتھیار ڈال دیے تو کمیونسٹ غدار جنرل دوستم نے انتہائی بے رحمی سے کنٹینروں میں ڈال دیا بقول حضرت محمد مجاہد ان ہزاروں مجاہدین میں سے اکثر مجاہدین اسی وقت ہی شہید ہوگئے بہت کم زندہ بچے۔ زندہ بچ جانے والے وہ لوگ تھے جو ابتداء ہی سے بے ہوش ہوگئے تھے۔ وہ بھی انہی کنٹینروں میں تھے۔ حضرت محمد صاحب بتایا کرتے تھے کہ جب کنٹینروں کے دروازے بند ہوگئے، حبس ہونے لگا۔ گرمی سے سانس لینا مشکل ہورہا تھا۔ سارے ساتھیوں کو پیاس لگنے لگی۔ حبس، گرمی اور پیاس کے باعث ساتھی بے چین ہورہے تھے۔ حلق سوکھ کر کانٹا ہوگئے۔ زبانیں خشک ہوکر باہر کو آنے لگیں۔ ساتھی بے چینی واضطرار میں کنٹینر میں اچھل اچھل رہے تھے۔ پیاس اور گرمی میں لحہ بہ لحہ شدت آتی جارہی تھی آخر کار اکثر ساتھی اسی گرمی اور پیاس کی شدت سے شہید ہونے لگے۔ ہم گرمی کی شدت سے اپنا پسینہ کنٹینر کی دیواروں پر صاف کرتے اور پھر وہی پسینے کی تری زبان سے چاٹتے۔ دوستم کے درندے اس کے باوجود بھی کنٹینروں پر فائرنگ کررہے تھے۔

حضرت محمد رحمہ اللہ نے کہا جب مجھے ہوش آیا تو میں نے دیکھا کہ ہمارے کنٹینر میں چھوٹا سا سوراخ تھا۔ میں نے سانس لیا اور خود کو گھسیٹ کر سوراخ کے قریب آیا۔ اپنا منہ سوراخ کے قریب کرکے میں نے دیکھا تو وہاں ایک آدمی نظر آیا۔ اسی سوراخ سے میں نے آواز دی کہ تھوڑا سا پانی لے آو اس نے یہ بات سنی اور دوڑ کر ایک لوٹے میں پانی لایا۔ میں نے منہ قریب کرکے پانی پینا شروع کیا تو حبس اور سانس کی تنگی کے باعث الٹیاں آنے لگیں۔ پانی بھی سارا الٹی ہوگیا۔ پھر دوسرے ساتھی کو میں نے آواز دی آو پانی ہے۔ اسے میری بات پر یقین ہی نہیں آیا۔ اس نے جب پانی چکھا تو اسے بھی الٹیاں آنے لگیں۔ کنٹینر کے دروازے کھولے گئے تو ہر کنٹینر میں دو، تین مجاہدین ہی زندہ بچے تھے۔ یہ حقائق CD کیسٹوں میں محفوظ ہیں۔

مرحوم مجاہد نے کہا بالآخر ہمیں شبرغان جیل لایا گیا۔ جس میں 11 بیرکیں اور بڑا ہال تھا۔ ہم وہاں انتہائی تکلیف سے گذارہ کررہے تھے۔ کھانا عین اسی وقت لایا جاتا جب ہمارے سونے اور آرام کا وقت ہوجاتا۔ چوبیس گھنٹے میں ایک چھوٹی سی روٹی دیتے۔ روزانہ ایک دو ساتھی بھوک کی شدت سے شہید ہوتے۔ دوستم کے فوجی ایک اور ظلم بھی کرتے وہ یہ کہ سالن میں سونا یوریا کی کھاد ڈال دیتے جس سے بہت سے مجاہدین شہید ہوگئے۔

اس ظلم عظیم کی وجہ سے ساتھیوں نے مشورہ کیا کہ اگر اس بار تنظیموں والے آجائیں تو ایک شخص خود کو قربانی کے لیے تیار کرکے ساری حقیقت حال بیان کرے گا۔ اس قربانی کے لیے میں تیار ہوگیا۔ ایک تنظیم والے آئے جس میں ایک امریکی بھی تھا جو اس سے قبل ایران میں رہ چکا تھا اس لیے وہ فارسی جانتا تھا۔ جب وہ واپس جانے لگا میں نے آواز دے کر کہا میری بات سنو۔ میں نے اس سے کہا وہ انسانی حقوق کے ٹھیکیدار کہاں گئے۔ ہم یہاں روزانہ دو یا تین ساتھی شہید ہوتے ہیں۔ پھر میں نے اسے کنٹینر کے واقعات سنائے۔ سونا یوریا اور دیگر وحشتناک مظالم کے قصے سنائے۔ آخر میں میں نے اسے کہا کہ میں خود کو قبر میں دیکھ رہا ہوں۔ اس نے مجھ سے اس بات کا مطلب پوچھا۔ میں نے کہا مجھے معلوم ہے کہ جیسے ہی تم چلے جاؤ گے یہ دوستمی درندے مجھے ماردیں گے، میں صرف ساتھیوں کا حق مانگنے کے لیے اس قربانی کے لیے تیار ہوا تھا۔

جیل کا انچارج بار بار اشارے کرکے مجھے خاموش کرنے کی کوشش کررہا تھا مگر میں نے اس کا کوئی اثر نہیں لیا۔ وہ امریکی آہستہ آہستہ پیچھے جانے لگا۔ دیوار سے تکیہ

لگا کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اس نے انتہائی افسوس سے کہا: "اتنا ظلم بھی کوئی کرتا ہے"۔

جاتے ہوئے اس نے کہا میں جاتے ہی سب سے پہلے آپ کا مسئلہ حل کرنے کے لیے کوششیں کروں گا۔ وہ امریکی جب گیا تو جیل کا انچارج ڈنڈوں، زنجیروں اور بیڑیوں کے ساتھ جیل میں آگیا اور پوچھا وہ انگریزوں کے سامنے تیز تیز بولنے والا کہاں ہے؟ حضرت محمد مجاہد کہتے تھے میں اپنے ساتھیوں کے درمیان چھپ گیا قیدیوں کی تعداد بہت زیادہ ہزاروں میں تھی اس لئے وہ مجھے ڈھونڈنے میں ناکام ہو گیا۔

حضرت محمد شہید رحمہ اللہ کہتے ہیں ایک ہفتے بعد ایک اور گروپ آیا۔ ان لوگوں نے آکر قیدیوں کو تولنا شروع کیا۔ جس کا وزن کم ہوتا اسے ایک طرف بٹھاتے اور ایک قسم کا کڑا اس کے ہاتھ میں ڈالتے۔ اسے مقوی غذا دی جاتی۔ جس کا وزن کچھ اچھا ہوتا اسے متوسط خوراک دی جاتی۔ ڈاکٹر لوگ کہتے تھے ہمارے نقطہء نظر کے مطابق آپ لوگ دو ماہ پہلے ہی مر چکے ہیں لیکن یہ اللہ کی ذات ہے جس نے تمہیں زندہ رکھا ہے۔

حضرت محمد شہید رحمہ اللہ کہتے تھے کہ جب کھانا اچھا ہونے لگا تو حالات بھی تبدیل ہونے لگے۔ پھر ہم نے جیل میں مدرسہ قائم کیا اور نظم وضبط کے مطابق کام کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ہمارے نظم وضبط اور پڑھائی کو دیکھ کر دوستمی فوجی بھی حیران ہو جاتے اور بار بار پوچھتے کہ یہ نظم وضبط آپ کو کون سکھاتا ہے۔

پھر ایک لغمانی تنظیم آئی اور کابل منتقل کرنے کے لیے ہمارے نام لکھے۔ منتقلی کے وقت ساتھی تقسیم ہو کر بسوں میں چڑھ گئے۔ میں جیل سے نکلنے والا سب سے آخری فرد تھا۔ ایک دوستمی فوجی نے مجھے طعنہ دیا تھا کہ اب تم یہاں لمبے عرصے تک قیدی رہو گے۔ نکلتے ہوئے میں نے اسے کہا: "دیکھو ہم کیسے نکل کر جا رہے ہیں"۔

کابل آنے کے بعد تین سال مزید پل چرخی کی جیل میں ہم نے گزارے۔ پھر کرزئی نے تمام قیدیوں کی رہائی کا حکم دیا تو ہمیں بھی آزاد کر دیا گیا۔

حضرت محمد مجاہد رحمہ اللہ نے جیل سے چھوٹتے ہی جارحیت پسندوں کے خلاف جہاد کا آغاز کر دیا، یہاں تک کہ وہ کابل شاہراہ بند کر کے آئے روز دشمن کو طرح طرح کے جانی ومالی نقصانات پہنچاتے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ 2008 میں انہوں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ دشمن کی ایک بڑی کانوائے پر حملہ کر دیا جس میں اکثریت فرانسیسی فوجیوں کی تھی۔ جن میں 90 فرانسیسی ہلاک وزخمی ہوئے۔ دشمن نے 10 فوجیوں کی ہلاکت اور 30 زخمیوں کی تصدیق کی۔ 2010 میں ایک اور کانوائے پر جس میں نیشنل آرمی کے 400 اہلکار 60 گاڑیوں میں سوار تھے۔۔۔۔۔۔۔ لغمان کے بادپش کے علاقے میں حضرت محمد شہید رحمہ اللہ نے حملہ کیا اور بیس گاڑیاں، ٹینک اور رینجر غنیمت میں حاصل کیں۔

30 فوجی زندہ گرفتار اور 84 فوجی ہلاک وزخمی ہو گئے۔ بالآخر ملک وملت کی دفاع کا یہ شہاب ثاقب، انتہائی غیور ودیانتدار شخصیت کے مالک حضرت محمد شہید رحمہ اللہ اور امارت اسلامیہ کی تشکیلات میں کمانڈر اور ضلع علیشنگ کے کمشنر شوال 1433 میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اللہ کی رضا کے لیے اس کی راہ میں شہادت ان کی زندگی کی سب سے بڑی تمنا تھی۔ لغمان کے علاقے کلمنی میں غاصب درندوں نے ہوائی حملہ کر کے انہیں شہادت کے بلند ترین مقام پر فائز کر دیا۔

اللہ تعالی ان کی روح کو اعلی علیین میں مقام عطا فرمائے اور ان کی حیات جاوداں کو آئندہ نسلوں کے لیے مشعل راہ بنائے۔ کمانڈر حضرت محمد شہید رحمہ اللہ نے پسماندگان میں 3 بیٹے، 4 بیٹیاں اہلیہ اور ضعیف العمر والد چھوڑے۔ اللہ تعالی ان کے بچوں کا کفیل اور مددگار ہو۔ وکفی باللہ وکیلا۔

بقیہ: از ہاں! یہ وہی سحر ہے

اور پیچیدہ کوششوں، فوجوں کی کمی اور بہ تدریج انخلا کے بجائے اپنے عوام کے حالات اور مطالبات کو مد نظر رکھ کر جلد از جلد تمام فوجیوں کو ہمارے ملک سے نکال دیں۔ در اصل افغان مسئلے کا حقیقت پر مبنی بنیادی حل یہ ہے کہ جارحیت مکمل طور پر ختم کی جائے۔ افغانوں کو اپنے ملک کا کنٹرول خود سنبھالنے کے لئے خود مختار چھوڑ دیا جائے۔ اور اگر ایسا نہ ہوا تو جب تک ایک بھی بیرونی غاصب ہماری دھرتی پر موجود رہے گا۔ ہمارا مقدس جہاد اس کے خلاف مزید قوت سے جاری رہے گا۔ بس اپنے عوام کی نیک خواہشات، امیدوں اور تمناؤں کے پورے ہونے تک مزاحمت جاری رکھیں گے۔ اوباما نے افغانستان سے کچھ فوج نکالنے کا اعلان کیا ہے، یہ کوئی حل نہیں ہے۔ بلکہ تمام غاصبوں کے انخلا کا اقدام کیا جائے۔ کیوں کہ یہی امر افغانستان اور امریکہ کے مفاد میں ہے اور وہ کام جو کل مزید نقصانات، بدنامی اور رسوائیوں کے بعد کیا جائے، مناسب ہے کہ ابھی کر دیا جائے۔

طالبان نے حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے مزید کہا کہ "وائٹ ہاؤس کو جاننا چاہئے کہ افغانستان میں "طاقت کی سیاست" کبھی نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوتی۔"

قارئین! اب آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ جان ایلن کے بیان میں کتنی صداقت ہے اور کتنی خیانت ہے اور یہ کہ امریکہ کو خروج پر کس قوت نے مجبور کیا ہے؟

میں سمجھتا ہوں کہ جنرل جان ایلن کے 19 ماہ کے دورانیے میں افغان افواج کو اختیارات کے تفویض کرنے میں طالبان کے حملوں کا زیادہ اثر ہے اور اکثر چھاؤنیوں کا کنٹرول، افغان افواج کے حوالے "حادثاتی" طور پر ہی کیا گیا ہوگا۔ یعنی طالبان نے حملہ کیا، اتحادی تاب نہ لا سکے۔ دم دبا کر بھاگے اور یوں چھاؤنی کا نظام افغان کٹھ پتلی کے حوالے ہوا۔ اور یہی وہ چیز ہے جس کو میں نے ابتداء میں جبر وستم کی ایک تاریک اور طویل شام غم ڈھل جانے سے تعبیر کیا تھا کہ جس کے اختتام پر روشن سورج کی اجلی صبح نمودار ہوتی ہے۔ اور کہا جاتا ہے:

وہ انتظار تھا جس کا وہی سحر ہے یہ۔

جنگی جرائم

{جنوری 2013}

سید سعید

4 جنوری 2013 کو قندہار ضلع شاولی کوٹ کے قریان کے گاؤں پر یلغار کے وقت جارحیت پسند فوجیوں نے گاؤں کے ایک شخص معروف بہ "بارکزئی استاد" کو بلاکسی الزام یا جرم کے شہید کر دیا۔

5 جنوری کو غاصب جارحیت پسندوں نے نائٹ آپریشن کے دوران کابل ضلع سروبی میں انکول کے گاؤں پر چھاپہ مارا، گھروں کی تلاشی کے دوران انہیں کوئی جنگی سامان نہ مل سکا مگر گاؤں کے 2 افراد کو شہید اور دو کو بلاکسی وجہ کے زخمی کر دیا۔

6 جنوری کو غاصب جارحیت پسندوں نے صوبہ ہلمند ضلع نواز کے علاقے خشکی کاریز میں 2 عام ملکی افراد کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔

7 جنوری کو صوبہ کنڑ کے مرکز اسعد آباد میں امریکی قابض جارحیت پسندوں نے ملکی فوجیوں کے تعاون سے ایک عام ملکی فرد کے گھر پر چاپہ مارا۔ 2 ملکی افراد کو گرفتار کیا اور تلاشی کے دوران پیسے، خواتین کے زیورات اور دیگر قیمتی اشیاء لوٹ کر لے گئے۔

8 جنوری کو اربکیوں نے قندوز ضلع چہار دری کے علاقے اختاخ میں ایک ملکی شخص کے گھر پر دھاوا بول دیا۔ ایک 45 سالہ بوڑھے شخص اور دو خواتین شہید کر دیا۔ اربکیوں نے بعد ازاں اس گھر کی تلاشی لی اور قیمتی چیزیں لوٹ کر لے گئے۔

8 جنوری ہی کو صوبہ اروزگان ضلع چہار چینو کے علاقے گوہر گین ناوے میں نوجوی کے گاؤں میں غاصب درندوں نے گاؤں کے 6 افراد کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔ اس علاقے کے ایک نوجوان عالم دین مولانا شیر محمد کو بھی شہید کر دیا۔

9 جنوری کو غاصب درندوں نے صوبہ ہرات ضلع شینڈنڈ کے علاقے زیر کوہ میں چاپہ مارا۔ اس گاؤں کے امام مسجد اور گاؤں کے دیگر افراد کو گرفتار کر کے قید کر دیا

10 جنوری کو صوبہ ہلمند ضلع گریشک کے علاقے کلای گز دریگن دریا کے علاقے میں جارحیت پسندوں نے چاپے کے دوران ایک عام ملکی فرد کو قید کر دیا اسی طرح اسی تاریخ کو صوبہ تخار ضلع اشکمش کے مضافات میں گاؤں طاہر خان میں ایک گھر پر چاپہ مارا جس میں ایک عام ملکی فرد کو شہید اور مزید دو کو قید کر دیا۔

10 جنوری کو صوبہ ننگرہار ضلع خوگیانو میں غاصب جارحیت پسندوں نے مارٹر کے گولے سے تین بچوں کو زخمی کر دیا۔ صوبہ نیمروز ضلع خاشرود کے علاقے کرو میں داخلی فوجیوں کے تعاون سے جارحیت پسند فوجیوں نے ایک چاپے کے دوران 2 ملکی افراد کو شہید اور 2 کو گرفتار کیا۔

13 جنوری کو ذرائع ابلاغ نے خبر دی کہ میدان وردگ ضلع سید آباد میں تنگی درہ کے حسن خیلو کے علاقے میں غاصب جارحیت پسندوں نے ایک مسجد پر فضائی حملہ کر کے بہت سے عام افراد کو شہید اور زخمی کر دیا۔ خبر میں کہا گیا ہے کہ پہلے مسجد پر بمباری ہوئی، لوگ گھروں سے نکل کر جائے وقوعہ پر پہنچے تاکہ ملبہ سے لوگوں کی لاشیں نکالی جائیں۔ اس دوران مسجد پر دوبارہ بمباری ہوئی جس میں وہ سب لوگ نشانہ بنے جو شہداء کی نعشوں کو نکالنے کے لیے گھروں سے نکلے تھے۔ ان شہداء میں امام ابو حنیفہ یونیورسٹی کے پروفیسر محمد مزمل اور ان کے دو بیٹے اور قومی و سماجی رہنما حاجی خزدری کے بیٹے صبغت اللہ، عبدالباسط اور نیک محمد بھی شامل ہیں۔ اس سانحے میں کل 18 افراد شہید اور 30 سے زیادہ زخمی ہو گئے۔

14 جنوری کو صوبہ غزنی ضلع شلگر کے منار گاؤں میں اربکیوں نے عوام کے گھر پر یلغار کر دی۔ تلاشی کے دوران ایک بوڑھے شخص حاجی مومن اور ایک اور خالد نامی شخص کو سخت زدوکوب کیا۔ عینی شاہدین کے مطابق بعد میں گھروں سے نقدی اور خواتین کے زیورات لوٹ کر لے گئے۔ جاتے جاتے ایک سراچہ موٹر {ایک خاص قیمتی گاڑی} بھی ساتھ لے گئے۔

17 جنوری کو داخلی فوجیوں نے نائٹ آپریشن کے دوران صوبہ پکتیا ضلع اومنہ میں گاؤں "سپینہ" پر چاپہ مارا۔ چار ملکی افراد کو قید کر دیا۔ گھروں کی تلاشی کے دوران عام لوگوں کے گھروں سے 8 موٹر سائیکل، 1 فور وہیل گاڑی اور 25 بور کا گن بھی لوٹ کر لے گئے۔

17 جنوری ہی کو صوبہ فراہ ضلع بالا بلوک کے پساو کے گاؤں میں داخلی فوجیوں نے ایک عام فرد کو اس وقت مشین گن کا فائر کر کے شہید کر دیا جب وہ کھیتوں میں پانی لگا رہا تھا۔

18 جنوری کو صوبہ ہلمند ضلع گریشک کے علاقے کلای گز میں کریم دادا کے گاؤں میں غاصب جارحیت پسندوں نے چاپے کے دوران دو ملکی افراد کو گرفتار کر دیا۔

19 جنوری کو صوبہ قندہار ضلع شاولی کوٹ کے علاقے کجور ناوی میں غاصب جارحیت پسندوں نے ریموٹ کنٹرول بم کے دھماکے میں۔۔۔۔۔۔

بقیہ: صفحہ نمبر 6 پر ملاحظہ فرمالیں۔

کامیابی کا ایک سال

ریحان خان

آج سے ایک سال پہلے، امارت اسلامیہ کے شعبہ اطلاعات وثقافت نے اردو میں ماہنامہ شریعت" کا اجراء کیا، جوکہ اطلاعات وثقافت کمیشن کا ایک انقلابی اقدام تھا، اور وقت کی آواز تھی، انقلاب اور قحط الرجال کے اس زمانے میں صرف خلوص نیت ہی تھی جس کی بدولت مجلہ کو اچھی خاصی مقبولیت ملی ہے، چونکہ امارت اسلامیہ کا اردو ترجمان، واحد یہی مجلہ تھا، اس لئے سب لوگ اس کو پسند کرتے ہیں، چنانچہ جس وقت "شریعت" کا پہلا شمارہ صرف انٹرنیٹ ایڈیشن شائع ہوا، اور ابھی منظر عام پر نہیں آیا تھا تب بھی ہزاروں کی تعداد میں مبارکباد کی ایمیلز ادارے کو موصول ہوئیں، جس سے ادارہ "شریعت" کو اچھا خاصا حوصلہ ملا، اور جب کتابی شکل میں مارکیٹ میں لایا گیا تو دیکھتے ہی دیکھتے ختم ہوگیا، کئی سارے اہل خیر حضرات نے اپنی وسعت کے مطابق خرید کر عوام الناس میں تقسیم کیا، اور ابھی تک الحمدللہ یہ سلسلہ جاری ہے۔

ماہنامہ "شریعت" کو ملک پاکستان کے اکثر شہروں میں "شریعت" کے نمائندگان اور ڈاک کے ذریعے علماء کرام، صحافیوں اور عوام الناس تک پہنچایا جاتا ہے۔ امارت اسلامیہ سے متعلق وہ مجاہدین جن کو پشتو، فارسی اور عربی زبانوں سے دلچسپی نہیں تھی، یا وہ ان زبانوں کو نہیں جانتے تھے، ان کے لئے بھی اس مجلہ کی اشاعت بڑی خوشخبری تھی۔

چونکہ مشکلات اور رکاوٹیں بھی بہت ہوتی ہیں، اس وجہ سے جب کبھی شمارہ پہنچنے میں تھوڑی سی دیر ہوجاتی ہے، تو "شریعت" کے قارئین بار بار رابطہ کرتے ہیں، اور شدت سے اس کا انتظار کرتے ہیں۔

مجلہ کے مدیر جناب ولید افغان صاحب اور مجلس مشاورت کے ارکان خاص طور پر ملا اسد افغان صاحب کی کوششوں سے ماشاءاللہ تمام کالمز اور مضامین بہت ہی اہم اور زمانے کے تقاضوں کے مطابق بڑی دلچسپ انداز میں لکھے ہوتے ہیں، قارئین حضرات ان کو شوق سے پڑھتے ہیں اور پسند کرتے ہیں چنانچہ ہر مہینے تعداد اشاعت بڑھانے کے باوجود جب مجلہ تقسیم ہوجاتا ہے، تو بہت سارے لوگوں تک پہنچنے سے پہلے ہی ختم ہوجاتا ہے۔ اسی طرح مجلہ کی ڈیزائننگ اور ترتیب بھی بڑی محنت سے کی جاتی ہے، جو مجلہ کو چار چاند لگادیتی ہے۔

ادارہ کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ مجلہ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچایا جائے، چنانچہ امارت اسلامیہ کی اردو ویب سائٹ(www.shahamat-urdu.com) پر ہر مہینے انٹرنیٹ ایڈیشن بھی شائع ہوتا ہے اور گزشتہ تمام شماروں کا آرشیف بھی وہاں موجود ہے، فیس بک اور ٹوئٹر پر بھی شریعت میگزین((shariatmagazine کے نام سے اکاونٹ موجود ہے، وہاں بھی انٹرنیٹ ایڈیشن اور گزشتہ تمام شمارے ملاحظہ کیا جاسکتے ہیں۔

آخر میں اطلاعات وثقافت کمیشن اور شریعت کے مدیر، مجلس مشاورت اور شریعت کے قارئین کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ماہنامہ شریعت کا ایک سال پورا ہونے پر مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالی اطلاعات وثقافت کمیشن کو اس راستے میں مزید کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور انہیں ترقی بھی نصیب فرمائے۔ آمین

تخار کی جہادی سرگرمیوں پر ایک نظر

عبدالروف حکمت

تعارف:

صوبہ تخار افغانستان کے شمال مشرق میں واقع ہے جس کے مشرق میں بدخشان، شمال میں تاجکستان، مغرب میں قندوز اور بغلان جبکہ جنوب میں صوبہ بدخشان اور پنجشیر واقع ہیں، شمالی صوبوں کے لحاظ سے یہاں کی آبادی زیادہ ہے، یہ صوبہ دارالحکومت تالقان کے علاوہ 16 اضلاع پر مشتمل ہے، رقبے کے لحاظ سے یہ صوبہ 12333 کلومیٹر پر مشتمل ہے، صوبہ تخار کے اضلاع میں بنگی، اشکمش، چال، ورسج، فرخار، کلفگان، رستاق، ہزار سموچ، چاہ آب، ینگی قلعہ، درقد، خواجہ غار، خواجہ بہاوالدین، بہارک اور دشت قلعہ شامل ہیں، معاشی لحاظ سے صوبے کے عوام کی اکثریت غریب ہے، چاول، روئی اور گندم کی کاشت کاری کرتے ہیں صوبے میں مختلف اقوام آباد ہیں جن میں تاجک، ازبک، پشتون اور ہزارہ شامل ہیں۔

مشہور نہریں آمو اور کوچکی اسی صوبے میں گزرتی ہیں، اس زرخیز سرزمین کے لوگ زراعت سے وابستہ ہیں، نمک کی زیادہ کانوں کی وجہ سے ملک کی سطح پر یہ صوبہ مشہور ہے، صوبے کے تاقچہ خانو، چال اور کلفگان کے علاقے نمک کے زیادہ پیدا ر میں زیادہ مشہور ہیں اور ان کا شمار افغانستان کے بڑے ذخائر میں ہوتا ہے۔

یلغار اور جہاد:

امارت اسلامیہ کے دور حکمرانی میں صوبہ تخار پر طالبان کا مکمل کنٹرول حاصل نہیں تھا بلکہ مرکز سے شمالی جانب دشت قلعہ تک پیش قدمی کی تھی اور مشرقی جانب فرخار کی وادی تک پہنچ چکے تھے، جب امریکہ نے افغانستان پر فوج کشی کی اس وقت طالبان تخار کے خواجہ غار اور فرخار میں مسعود کے حامی جنگجوؤں کے خلاف برسرپیکار تھے، اسی طرح تالقان کے شمال میں خواجہ غار سے جنوب میں اشکمش تک خواجہ غار، کلفگان، فرخار، تنگی، نمک آو، چال اور اشکمش کے مضافات میں دفاعی لائن بنائی تھی۔

امریکی حملے کے وقت امریکیوں نے شمالی اتحاد کے مطالبے اور معلومات فراہم کرنے پر خواجہ غار اور فرخار کی دفاعی لائن پر شدید بمباری شروع کردی، یہ بمباری بہت بلندی سے ہورہی تھی اور مجاہدین کے پاس کوئی دفاعی سسٹم نہیں تھا اس لئے چند ہفتے مزاحمت کرنے کے بعد مجاہدین مجبور ہوگئے کہ مزید مزاحمت کی بجائے حکمت عملی تبدیل کرکے گوریلا جنگ شروع کرنے کے لئے ان علاقوں کو چھوڑدیں، مزار شریف کو چھوڑنے کے بعد تخار کے مجاہدین بھی قندوز چلے گئے۔ جس کے بعد پرانے جنگجوؤں کی حمایت سے امریکی استعمار اس پر قابض ہوگئے اور جرمنی کی فوجیوں نے دارالحکومت تالقان میں بڑا فوجی اڈا بنایا۔

تخار میں بھی دیگر شمالی صوبوں کی طرح بتدریج جہادی سرگرمیاں شروع ہوگئیں، 2009 کو تخار میں قابض افواج کے خلاف جہادی کارروائیوں کا انکشاف اور فعالیت کے لحاظ سے اہم سال قرار دیا جارہا ہے، اسی سال تخار میں دشمن پر 40 موثر حملے کئے گئے، اسی سال نہ صرف جہاد کی لہر صوبے کے تمام اضلاع تک پھیل گئی بلکہ جہاد نے عوامی شکل اختیار کی، یہاں تک کہ آئندہ سال 2010 میں جہادی کارروائیوں کا گراف بلند ہوکر 131 کارروائیاں کی گئیں، اس سال 2010-6-9 میں مجاہدین نے ضلع درقد میں ایک کارروائی کے دوران دشمن کے کئی فوجیوں کو ہلاک کردیا اسی لڑائی میں درقد آئے ہوئے افغان آرمی اہلکار چار دن تک مجاہدین کے محاصرے میں رہے جنہیں بعد میں فضائیہ کے تعاون سے علاقے سے نکال کرلے گئے، لڑائی میں مجاہدین کو کثیر تعداد میں مال غنیمت مل گیا۔

صوبہ تخار کے سابق جہادی سربراہ مولوی محمد حسن نے مارچ 2011 میں الامارہ ویب سائٹ کے ساتھ ایک انٹرویو میں تخار کی صورتحال پر یوں روشنی ڈالی۔

{ تخار میں جہادی کارروائیاں الحمدللہ پچھلے برسوں سے بہت بہتر ہیں، ہماری تشکیلیں صوبے کے تمام 16 اضلاع تک پھیل چکی ہیں اور مجاہدین تمام اضلاع میں منظم اور سرگرم ہوچکے ہیں البتہ بعض اضلاع میں سرعام اور بعض اضلاع میں خفیہ طور پر کام کررہے ہیں۔

خواجہ بہاءالدین، فرخار، درقد اور ینگی قلعہ وہ علاقے ہیں جہاں پر مجاہدین کا عملا کنٹرول ہیں، اسی سال دشمن نے تخار میں مجاہدین کی قوت کو توڑنے کے لئے خواجہ بہاوالدین، ینگی قلعہ اور درقد میں فوجی آپریشن کیا مگر انہیں کوئی خاطر خواہ کامیابی نہیں ملی بلکہ وہ شکست سے دوچار ہوا، خواجہ بہاوالدین میں ان کی متعدد اہلکار علی قتاق میں ایک ہفتے تک محاصرہ رہے جو بعد میں طیاروں کے ذریعے نکالے گئے۔ اس کے بعد دشمن نے ینگی قلعہ اور درقد میں آپریشن کا آغاز کیا مگر وہاں بھی وہ شدید مزاحمت اور شکست سے دوچار ہوا اور ان کے کئی

فوجی اہلکار ہلاک ہوئے، درقد میں مجاہدین 40دن تک مزاحمت کرتے رہے جس میں انہوں نے بم دھماکوں، بارودی سرنگوں اور چھاپہ کارروائیوں سے دشمن کو ہلاکر رکھ دیا، اس کے بعد خواجہ غار میں بھی دشمن کا آپریشن ناکام ہوا، ان کارروائیوں میں متعدد مجاہدین شہید ہوئے مگر دشمن کو زیادہ نقصان اٹھانا پڑا۔}

مولوی محمد حسن نے سال 2011 سے متعلق کہا کہ ہم نے اب تک 75 کارروائیاں کی ہیں جن میں 8 غیر ملکی فوجی ہلاک اور 3 زخمی ہو چکے ہیں اس طرح 108 افغان اہلکار ہلاک اور 79 زخمی ہوئے ہیں، تخار میں اتحادیوں کے نقصانات اس لئے کم ہیں کہ وہاں وہ بہت کم کارروائیوں میں حصہ لیتے ہیں اور بیشتر کارروائیوں میں افغان اہلکار حصہ لیتے ہیں۔

تخار میں وہ تمام علاقے مجاہدین کے زیر کنٹرول آچکے ہیں جو پہلے جنگجو کمانڈروں اور نیٹو کے مراکز تھے، خواجہ بہاؤالدین، فرخار، رستاق، دشت قلعہ اور دیگر علاقے جو امارت اسلامیہ کے دور حکمرانی میں فتح نہیں ہوئے تھے مگر اب ان تمام علاقوں میں بڑی تبدیلی آئی ہے عوام کے تعاون سے مجاہدین نے ان علاقوں میں شر پسند اور اسلام دشمن عناصر کا خاتمہ کیا ہے، ان علاقوں میں گزشتہ چند برسوں میں نہ صرف غاصبین اور ان کے حواریوں کو للکارا ہے بلکہ مجاہدین اور مقامی علماء کرام کی فعالیت کی بدولت معاشرتی اصلاحات بھی کی گئی ہیں، اب ان علاقوں میں علماء کرام کی سرپرستی میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو فعال کر دیا گیا ہے جس کے باعث غیر اسلامی رسومات، بدعات، سازاور ڈھول کے میلے اور دیگر غیر اخلاقی سرگرمیوں پر پابندی لگادی ہے، تخار میں گزشتہ چند برسوں میں نہ صرف اتحادی فوجیوں کو بھاری نقصانات سے دوچار کیا ہے بلکہ مختلف واقعات میں جنرل داود، شاجہان نوری، مطلب بیگ اور انجینئر عمر جیسے شراور فساد کے بڑے بڑے رہنماؤں کو بھی صفحہ ہستی سے مٹادیا۔ اسی طرح صوبے میں ان کی قوت کی کمر توڑدی ہے جس کے مثبت نتائج برآمد ہوئے ہیں۔

جنگی جرائم:

تخار میں گزشتہ دہائیوں میں مظالم اور جنگی جرائم کے پہاڑ گرائے جاچکے ہیں اس صوبے میں پرانے جنگجو کمانڈروں کے درمیان آپس کی لڑائی میں عوام بھاری نقصانات اٹھاچکے ہیں حتیٰ کہ بعض علاقوں میں اس لڑائی کی وجہ سے عوام میں اعتماد اور بھائی چارگی کی فضا کو بھی نقصان پہنچا، اگر پہلے صرف جنگجو جنگی جرائم میں ملوث تھے اب امریکی جارحیت کے بعد اتحادی اور مقامی حکومتی رہنما بھی اس دوڑ میں آگئے اور انہوں نے جرائم میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

18 مئی 2011 کو المانی فوجیوں نے تالقان شہر کے گاؤ ملی گاؤں میں ایک گھر پر چھاپہ مارا اور اس میں چار بے گناہ افراد کو شہید کیا۔ اس واقعے کے خلاف تالقان کے شہریوں نے المان فوجی اڈہ کے سامنے احتجاجی مظاہرہ کیا جس پر المانی فوجیوں نے اندھادھند فائرنگ کر کے چار بچوں سمیت 12 افراد کو شہید اور 80 افراد کو زخمی کیا۔

موجودہ صورتحال:

صوبہ تخار میں جہادی سرگرمیاں 16 اضلاع اور تمام علاقوں تک پھیل چکی ہیں، مجاہدین نہ صرف عسکری کارروائیوں میں مصروف ہیں بلکہ عدالتی، تعلیمی، تربیتی اور دعوت ارشاد کی سرگرمیاں بھی جاری رکھی ہوئی ہیں، گزشتہ عیدالفطر کے دنوں میں میڈیا نے خبر شائع کی کہ صوبہ تخار کے مختلف مسجدوں اور نماز عیدالفطر کے موقع پر ائمہ مساجد اور خطباء نے عالی قدر امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد کا عید پیغام پڑھ کر سنایا جو تخار میں مجاہدین کی فعالیت اور سرعام سرگرمیوں کی واضح دلیل اور ثبوت ہے۔

□□□

بقیہ: از چند لمحات قندہار مجاہدین کے ساتھ

تاکہ وہ یہ تاثر قائم رکھیں کہ میانشین میں وہ موجود ہیں۔ میانشین کے مجاہدین کے مطابق شاولیکوٹ میں دشمن کی موجودگی برائے نام ہے اس لئے امارت اسلامیہ کی جانب سے شاولیکوٹ کے مضافات اور دور دراز علاقے بھی میانشین کے مجاہدین کے زیر کنٹرول دیئے گئے ہیں تاکہ قندہار اور روزگان کی شاہراہ عام پر موجود چیک پوسٹوں پر کارروائیاں کریں۔ شاولی کوٹ کے سفور اور باختو تنگی علاقوں میں مجاہدین نے گزشتہ سال سڑک کنارے بم دھماکوں کے ذریعے 50 سے زائد ٹینک تباہ کر کے دشمن کو بھاری جانی نقصان پہنچایا۔

ضلع میوند:

ضلع میوند قندہار کے مغرب میں ہرات کی شاہراہ عام پر واقع ہے، یہ ضلع دو بڑے علاقوں پر مشتمل ہے، شاہراہ عام کے شمال میں علاقہ گرماوک اور جنوب میں قلعہ شامیر اور بند تیمور واقع ہیں، بند تیمور کی شاہراہ پر چند چیک پوسٹیں قائم ہیں اس کے علاوہ باقی مکمل ضلع پر مجاہدین کا کنٹرول ہے جہاں دشمن کا کوئی وجود نہیں ہے، سڑک کی دوسری جانب قلعہ شامیر میں دشمن موجود ہے اور اس علاقے پر کسی حد تک اس کا کنٹرول بھی ہے۔ قلعہ شامیر میں دشمن نے 2010 میں آپریشن کیا اور 40 کے قریب ملکی اور غیر ملکی فوجیوں کی چیک پوسٹیں بنائیں، اس علاقے میں انہوں نے چیک پوسٹوں کا جال بچھایا اور بڑی تعداد میں فوجیوں کو تعینات کر کے آپریشن کیا اس کے باوجود یہاں پر مجاہدین موجود، فعال اور منظم ہیں، دشمن پر حملے اور بم دھماکے کر رہے ہیں۔ میوند کے شمال میں دشمن صرف شاہراہ عام سے شہداء تک جانے والی سڑک پر موجود ہے اس سڑک کے علاوہ باقی میوند کے سارے شمالی علاقوں پر مجاہدین کا مکمل کنٹرول ہے یہاں دشمن کا کوئی وجود نہیں ہے۔ ضلع میوند کے گرماوک میں گزشتہ سال امریکیوں نے 2 اڈے خالی کر کے راہ فرار اختیار کی۔ ایک بڑا فوجی اڈہ ملنگ کاریز علاقے میں خالی چھوڑ کر وہاں سے فرار اختیار کیا، اسی طرح فیض آباد میں بھی ایک اڈہ خالی کر کے فرار ہوئے۔ مجموعی طور پر میوند سے بھی دشمن راہ فرار اختیار کر کے مختلف علاقے چھوڑ رہا ہے اور ان علاقوں پر مجاہدین دوبارہ کنٹرول حاصل کر رہے ہیں۔

صدی کی سب سے بڑی جنگ

تحریر: رحیمی

سابقہ سوویت یونین کے سابقہ صدر میخائیل گورباچوف نے افغانستان پر روسی جارحیت کو گذشتہ صدی میں روس کی سب سے بڑی غلطی قرار دیا۔ اس نے مزید کہا: "اب یہ غلطی افغانستان میں امریکا اور اس کے اتحادی دہرا رہے ہیں"۔ گورباچوف نے کہا: "اگر امریکا اور اس کے اتحادی افغانستان سے واپس نہیں گئے تو ان کا حشر بھی وہی ہوگا جو سوویت یونین کا ہوا"۔

گورباچوف کے اس موقف کی حمایت آسٹریلیا کے وزیر دفاع نے بھی کی۔ اس نے کہا ویت نام کے بعد پہلی مرتبہ امریکا کی سربراہی میں عالمی قوتیں افغانستان میں اس صدی کی سب سے بڑی شکست سے دوچار ہو رہی ہیں۔

مذکورہ بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں صلیبیوں کے دن گنتی کے رہ گئے ہیں۔ حال ہی میں دو ہفتے قبل امریکی فوج نے بھی اعتراف کیا کہ گذشتہ سال {2012} میں امریکی فوج میں خودکشیوں کی سطح بڑھ رہی ہے۔ اس سال میں 349 فوجیوں نے خودکشی کی۔ اگرچہ آزاد ذرائع نے یہ تعداد اس بھی زیادہ بتائی ہے۔ ان کی تحقیق کے مطابق 2012 سال کے دوران صرف افغانستان میں 600 سے زیادہ فوجیوں نے خودکشیاں کی ہیں۔ بہرحال مذکورہ رپورٹ کا مجموعی تاثر یہ بتاتا ہے کہ امریکی فوج میں ایک نہ ختم ہونے والا خوف اور لامتناہی مایوسی کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے۔ ہزاروں فوجی ایسے ہیں کہ جنگ میں حصہ لینے یا طویل مدت تک افغانستان میں قیام کرنے کی جگہ خودکشی کو ترجیح دیتے ہیں۔

2 فروری کو 2013 کو امریکی فوج نے ایک اور رپورٹ میں اعتراف کیا کہ 1999 سے 2010 تک کے عرصے میں امریکی فوج میں خودکشی کی سطح 2007 سے 2010 تک سب سے بلند ترین سطح پر پہنچ گئی ہے۔ جن میں 49 فیصد وہ فوجی ہیں جن کی عمریں پچاس سال سے زائد ہیں۔ فوجی امور کے مبصرین کا کہنا ہے: خودکشی کی اتنی بڑی سطح اور ادھیڑ عمر فوجیوں کی خودکشی امریکی فوج کی خوفناک تصویر پیش کرتی ہے۔

امریکا کے پاس ہر طرح کے وسائل ہیں مگر خودکشی کی وبا کی روک تھام اس کے بس سے باہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکی انتظامیہ کے فکری حلقے اس کی روک تھام سے مایوس ہوگئے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جنگ کا وہ منفی اثر اور وائرس ہے جو انتہائی تیزی سے امریکی فوج میں اور بھی سرایت کر رہا ہے۔

خبری ذرائع ابلاغ کے مطابق افغانستان میں قیام پذیر فوجیوں میں 100 میں سے 80 فوجی خوف اور بزدلی کا شکار ہیں، طرح طرح کی ذہنی بیماریوں میں مبتلا ہیں۔ جنگ کے نام سے انہیں نفرت ہے۔

گذشتہ گیارہ سالوں کے بعد امریکیوں نے جو ناجائز جنگ شروع کی اس کا انجام یہ ہے کہ امریکی اب اس جنگ سے پناہ مانگ رہے ہیں۔ مغربی تجزیہ کار اعتراف کرتے ہیں کہ امریکا طالب کو شکست دینے میں ناکام رہا۔ اتحادی ممالک بھی اس سال کے اختتام تک بہر صورت اپنی فوجیں نکالنا چاہ رہے ہیں۔ اس کی تازہ مثال مشرقی یورپ کے بلغاریہ کی ہے جس نے افغانستان سے ایک ہزار فوجیوں کا انخلاء کر کے اس سلسلے کا آغاز کر دیا۔ جس کی اکثریت ہرات میں مقیم تھی۔

اس لیے صرف امریکا کے لیے یہ ناممکن ہے کہ وہ اکیلے یہ جنگ لڑے کیوں کہ دوسروں کی بہ نسبت امریکی فوج زیادہ جنگ سے تنگ آئی ہوئی ہے۔ ان کی بڑی تعداد دشمن سے مقابلے کی بجائے خودکشی کو ترجیح دیتی ہے۔ امریکی حکومت پروپیگنڈے کے ذریعے یہ کوشش کر رہی ہے کہ انہیں اطمینان دلائے اور ان کا مورال بلند کرے مگر یہ واضح ہے کہ ایسا کب تک ہوگا۔ اس سلسلے میں فوج کا انخلاء بھی شروع ہوچکا ہے۔ ان کے جان و مال کی تحفظ کے لیے کچھ فرمائشی کانفرنسیں اور منصوبے بھی شروع کیے گئے ہیں تاکہ اس سے اپنے ہارے ہوئے مایوس فوجیوں کا مورال پھر سے بلند کریں۔ انہیں دلاسا دیا جا رہا ہے کہ دیکھو اب بس جنگ ختم ہو رہی ہے۔ 2014 کے بعد کوئی جنگ نہیں ہوگی۔

کابل میں علماء کے نام سے ایک فرمائشی کانفرنس منعقد کروانے کا مقصد بھی یہی تھا کہ علماء سے مدد حاصل کی جاسکے۔ ان سے اپنی جارحیت کے لیے سند جواز حاصل کی جاسکے۔ جس کے مقابلے میں امارت اسلامیہ نے دنیا بھر کے علماء خصوصاً دنیا کے دو بڑے جامعات جامعہ دارالعلوم دیوبند اور جامعۃ الازہر کے علماء سے مطالبہ کیا کہ وہ امریکی جارحیت کے سائے میں انعقاد پذیر علماء کانفرنس میں شرکت سے انکار کر دیں۔ اس طرح علماء کانفرنس کی سازش بھی ناکام ہوگئی اور اسلامی دنیا کے غیور علماء اس بات پر تیار نہیں ہوئے کہ امریکی جھنڈے تلے منعقد ہونے والی کانفرنس میں شرکت یا ان سے اتفاق کریں۔ اس لیے امریکا چاہتا ہے اب اپنی ناکامی کا بدلہ عام افغانوں سے لے۔ اس مقصد کے لیے علاقائی پولیس {اربکیوں} میں جمع کیے گئے لاوارث لفنگوں کو مزید کمک دے کر دوستم گلم جم ملیشیا کے مظالم اور وحشتوں کی تلخ یادیں پھر سے تازہ کرنا چاہتا ہے۔

مبصرین کے مطابق تمام کوششوں اور پریشانیوں کے باوجود امریکا واں جنگ ہار رہا ہے، صرف اتنا باقی ہے کہ امریکا رسمی طور پر اپنی شکست تسلیم کر لے۔

اوباما کے مشیر برائے سکیورٹی امور نے بھی اوباما کو افغان جنگ سے الگ ہونے کا مشورہ دیا ہے کیوں کہ اسے معلوم ہے کہ امریکا جنگ کو جتنا بھی طول دے اس کی مشکلات میں اور بھی اضافہ ہوگا اور اس کے خلاف افغانوں کی نفرت و بیزاری اور بڑھے گی۔

●●●

ترتیب: عبدالروف حکمت

چند لمحات قندہار مجاہدین کے ساتھ

رواں سال 5 جنوری کو صوبہ قندہار کے تمام اضلاع کے جہادی رہنماؤں اور مجاہدین کا مشترکہ اجلاس ہوا جس میں ماہنامہ الصمود کے نمائندے نے بھی شرکت کی، اس مشاورتی اور تربیتی اجلاس کے ضمن میں ماہنامہ الصمود کے نمائندے نے قندہار کے بعض اضلاع کے رہنماؤں سے بات چیت کی۔ قارئین کی دلچسپی کے لئے اسے مختصر انداز میں مرتب کر کے پیش خدمت ہے، ادارہ۔

ضلع ژڑئی:

ضلع ژڑئی قندہار شہر کے مغرب میں قندہار اور ہرات کی شاہراہ عام پر جنوب میں واقع ہے، یہ ضلع جس میں سنگ حصار کے علاقے سے طالبان اسلامی تحریک نے آغاز کیا تھا، نلغام، پاشمول، ماکوان، سنگ حصار، سنجری اور نادی کے مشہور علاقوں پر مشتمل ہے۔

ضلع ژڑئی جو روسی یلغار کے خلاف مجاہدین کا مشہور مرکز تھا، اب امریکی جارحیت کے خلاف بھی مجاہدین کا مضبوط ٹھکانہ ہے، اس ضلع کے پاشمول اور سنگ حصار علاقے امریکی قافلوں کے لئے خطرناک سمجھے جاتے ہیں گزشتہ گیارہ سالوں کے دوران ان علاقوں میں امریکیوں نے بھاری نقصانات اٹھائے ہیں۔

امریکی اور کنیڈین فوجی اس ضلع میں بھاری نقصانات سے دوچار ہوتے رہے اس لئے مجبور ہوگئے کہ طول و عرض میں اپنی حفاظت کے لئے ایک ظالمانہ، عجیب اور خطیر رقم سے نقشہ بنائیں، امریکیوں نے چند سال پہلے اس علاقے میں آپریشن کے دوران ژڑئی کے طول وعرض میں بڑے پیمانے پر پختہ دیواروں، خاردار تاروں اور سخت حفاظتی حصار میں سینکڑوں افغان اور قابض فوجیوں کی چیک پوسٹیں تعمیر کئے۔

ژڑئی میں امریکیوں نے بھاری نقصانات اٹھانے بعد سینکڑوں چیک پوسٹیں بنائیں مجاہدین کی کارروائیوں کے نتیجے میں امریکہ ذلت آمیز شکست سے دوچار ہو کر اس ضلع سے رسوا کن حالت میں نکلنے پر مجبور ہوا اس کے لئے فرار اختیار کرنے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں بچا۔

ژڑئی کے مجاہدین کے مطابق گزشتہ موسم بہار سے ضلع ژڑئی میں امریکی 21 اڈوں سے فرار ہو چکے ہیں، یہ وہ اڈے ہیں جو امریکی اس سے متعلق کہا کرتے تھے کہ پھر کبھی بھی ان اڈوں کو نہیں چھوڑیں گے اور جن قربانیوں کے ساتھ یہ اڈے بنائے ہیں اسی قیمت پر ان کا دفاع کرینگے۔

ژڑئی میں جن اڈوں سے امریکی فرار ہو چکے ہیں وہ درجہ ذیل ہیں۔

نلغام میں مکتب، کالکزان، عبدالعلی قلعہ، سرکلی اور میر ولیاتو کے اڈے۔

سنگ حصار اور کولک میں داروخان چوٹی، کوتیزو، شکار چوٹی، سرتک، کولک اور سنگ حصار کے درمیان اور وزیر علاقے کے اڈے۔

پاشمول میں ملایانو، ڈگر، شکور خان چوٹی اور پانیزو کے اڈے۔

سنجری میں شوغی، کلاوک اور عیدگاہ علاقوں کے اڈے، اسی طرح نادی سے ایک اور ماکوان سے تین اڈے خالی چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہوئے، واضح رہے کہ امریکیوں نے چند اڈوں کو مکمل طور پر خالی چھوڑ دیا ہے اور کچھ اڈے افغان فورسز کے حوالے کر دیئے ہیں۔

ژڑئی میں اب امریکیوں کے صرف چھ اڈے رہ گئے ہیں جن میں سیاچوی، نلغام، غونڈی، حوض مدد، مرکز اور سنجری علاقوں میں واقع ہیں اور یوں لگتا ہے کہ عنقریب ان اڈوں کو بھی خالی چھوڑ کر فرار ہو جائیں گے۔

ژڑئی کے مجاہدین نے بتایا کہ گزشتہ سال مختلف کارروائیوں میں دشمن کو بھاری نقصانات پہنچائے اب چونکہ علاقے سے امریکیوں کی اکثریت نکل چکی ہے اس لئے بڑی تبدیلی آنے کی امید ہے، اگرچہ امریکیوں نے کچھ علاقوں میں قومی ملیشیا تشکیل دیا ہے مگر وہ بدنام لوگوں پر مشتمل ہے اس لئے وہ عوام کے تعاون سے محروم ہے۔ بلکہ نہتے عوام پر مظالم ڈھانے، چوری، ڈکیتی اور دیگر جرائم میں ملوث ہونے کے باعث سخت عوامی قہر وغضب کو ابھارا ہے، ان کے مظالم اور برا سلوک ان کے زوال کے اسباب ہیں۔

ضلع ڈنڈ:

ضلع ڈنڈ جو قندہار شہر کے قریب واقع ہے گزشتہ گیارہ برسوں سے مجاہدین کا مضبوط ٹھکانہ رہا ہے جہاں مجاہدین دشمن کے خلاف بڑے پیمانے پر کارروائیاں کر رہے ہیں، روسی یلغار کے دوران مجاہدین قندہار شہر کے لئے اس ضلع سے استفادہ کرتے تھے، امریکی جارحیت کے وقت سے بھی یہ علاقہ اسٹریٹیجک لحاظ سے اہم قرار دیا جاتا ہے اسی لئے امریکیوں نے اس پر بھرپور توجہ دی اور درجنوں فوجی اڈے یہاں بنائے۔ مقامی مجاہدین کے مطابق اس ضلع کے ناخونی، خنجکک، زلہ خان، چلنغور، نودہ میر بازار اور دیگر علاقوں میں مجاہدین فعال اور منظم ہیں ان علاقوں میں امریکیوں کے اڈے بھی ہیں مگر وہ اپنے اڈوں سے باہر نکلنے کا حوصلہ نہیں رکھتے۔ 2012 میں ڈنڈ میں امریکی فوجیوں کی تعداد میں کمی آئی، وہ اپنے اڈوں سے فرار ہو چکے ہیں، کہا جا رہا ہے کہ ژڑئی اور میوند کے ضلعوں سے امریکیوں کی انخلاء کے

بعد قندہار شہر کے قریبی اضلاع ڈنڈ اور ارغنداب سے بھی فرار ہو جائیں گے ،ڈنڈ میں امریکیوں کے فرار کے بعد سیکیورٹی انتظامات قومی ملیشیا کے سپرد کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں،اور اس سلسلے میں لوگوں پر قومی ملیشیا میں بھرتی ہونے کے لئے دباؤڈالا جارہا ہے مگر چونکہ ڈنڈ کے عوام مجاہد صفت ہیں اس لئے انہوں نے قومی ملیشیا میں بھرتی ہونے سے انکار کیا۔ضلع ڈنڈ میں صرف صلاوات گاؤں میں محدود پیمانے پر قومی ملیشیا کے اہلکار موجود ہیں باقی پورے ضلع میں کہیں بھی نہیں ہیں۔

ضلع معروف :

معروف قندہار کے مشرق میں واقع ایک بڑا ضلع ہے،اس ضلع کے تمام علاقے مجاہدین کے کنٹرول میں ہیں اور آزاد ہیں صرف ہیڈ کوارٹر اور سالسون علاقوں میں دشمن کے کچھ اہلکار موجود ہیں، اس ضلع میں امریکیوں کا پہلے صرف ضلعی ہیڈ کوارٹر میں فوجی اڈہ تھا جہاں سے گزشتہ سال فرار ہو گئے اور چند محدود فوجی اہلکار ضلعی ہیڈ کوارٹر میں رہ گئے ہیں۔

اس ضلع کے تمام علاقے علیزو ناوہ، سامی پہاڑ، ساکزی علاقہ ،اعلی جرگہ، پیتاوی اور دیگر علاقوں پر مجاہدین کا مکمل کنٹرول ہے جہاں دشمن کا کوئی وجود نہیں۔سالسون علاقے میں محدود تعداد کے قومی ملیشیا کے اہلکار موجود ہیں مگر وہ بھی اپنی چیک پوسٹوں تک محدود ہیں جو مجاہدین کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈال سکتے۔اس ضلع میں مجاہدین کے 16 یونٹس فعال ہیں جو پانچ محاذوں میں تشکیل کئے گئے ہیں، گزشتہ سال اگر ایک جانب دشمن کا اس ضلع میں دائرہ اختیار ختم ہو گیا ہے تو دوسری جانب انہیں بھاری نقصانات کا سامنا بھی رہا، گزشتہ موسم بہار سے صرف 7 مجاہدین شہید ہو چکے ہیں۔

ضلع سپین بولدک:

بولدک جس کو قندہار کی کٹھ پتلی حکومت اپنا محفوظ اور مثالی علاقہ سمجھتی ہے زمینی حقائق اس کے کچھ اور ہیں، اس ضلع کا کوئی ایسا علاقہ نہیں ہے جہاں مجاہدین سر عام اور خفیہ طور پر موجود نہ ہو،اور یا کارروائیاں نہ ہوئی ہو۔بولدک اور ویش میں مجاہدین چھاپہ مار کارروائیاں کر رہے ہیں، بارودی سرنگ اور بم دھماکوں سے کام لیتے ہیں جبکہ بولدک کے دوسرے علاقوں جیسے ونکہ، کنجسو، چلگزی، ناوہ، رباط اور دیگر تمام علاقوں میں مجاہدین فعال اور منظم طور پر موجود ہیں اور دشمن کو اپنے اڈوں کے اندر محصور کر دیا ہے۔بولدک میں امریکیوں کے اڈے کچی زیارت، لقمان اور بولدک کے صدر مقام میں واقع ہیں، بولدک کے ناوے علاقے میں ایک بڑا فوجی اڈا حال ہی میں دشمن نے خالی کر دیا، دیگر علاقوں سے بھی فرار ہو رہے ہیں، یوں لگتا ہے کہ رواں سال قندہار سمیت سارے افغانستان سے راہ فرار اختیار کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔بولدک شہر کے مضافات میں پولیس کی محدود چیک پوسٹیں قائم ہیں مگر یہاں قومی ملیشیا نہیں ہیں۔ گزشتہ سال مختلف کارروائیاں کی گئیں جن میں قابل ذکر کارروائی بولدک شہر کے ساتھ پولیس چیک پوسٹ پر حملہ ہے جس میں تمام 13 پولیس اہلکار مارے گئے۔کارروائی کی منصوبہ بندی اس طرح کی گئی تھی کہ کچھ مجاہدین پولیس میں بھرتی ہو کر اسی چیک پوسٹ میں تعینات ہوئے ایک رات جب انہیں موقع ملا تو انہوں نے پولیس اہلکاروں کو نشہ دینے کے بعد فائرنگ کرکے مار ڈالا۔ گزشتہ سال بولدک میں فدائی حملے بھی کئے گئے جن میں اہم شخصیات ہلاک اور زخمی ہوئیں۔

ضلع خاکریز:

ضلع خاکریز قندہار کے شمال میں واقع ہے یہاں کی آبادی زیادہ ہے، گزشتہ برسوں میں یہاں امریکیوں نے سینکڑوں آپریشنز کئے، یہاں ان کے درجنوں فوجی اڈے قائم ہیں، گزشتہ سال یہاں پر بھی جہادی نظم میں بڑے پیمانے پر تبدیلیاں آئیں اور یہاں کے بیشتر علاقے دشمن کے وجود نامسعود سے پاک ہوئے ،مقامی مجاہدین کے مطابق امریکیوں اور ان کے غلاموں کی اکثریت گزشتہ سال یہاں سے فرار ہو چکی ہے۔مثال کے طور پر علاقہ چینار میں امریکیوں کا ایک اڈہ اور افغان اہلکاروں کے 15 چیک پوسٹیں،علاقہ لام میں امریکیوں کا ایک اڈہ اور افغان اہلکاروں کے 5 چیک پوسٹیں،اسی طرح ناصر اور باغگی علاقوں میں ایک،ایک اڈہ خالی چھوڑ کر فرار ہو چکے ہیں۔یہاں کے ستر فیصد علاقوں پر مجاہدین کا مکمل کنٹرول ہے۔خاکریز میں ملکی اور غیر ملکی دشمن صرف ضلعی ہیڈ کوارٹر، باغگہ اور ڈب کاریز گاؤں میں موجود ہیں جبکہ چینار و تنبیل، کاریزونہ، لام، لخشکان اور ناصر سمیت سارے علاقے مجاہدین کے زیر کنٹرول آچکے ہیں۔

خاکریز کے مجاہدین نے بتایا کہ یہاں سے دشمن ذلت آمیز اور رسوا کن حالت میں فرار ہوئے یہاں سے فرار ہوتے ہوئے ان کے 18 ٹینک اور افغان ارمی کی 6 فوجی گاڑیاں سڑک کنارے نصب بم دھماکوں سے تباہ ہوئیں۔اسی وجہ سے وہ شاہراہ عام کو چھوڑ کر صحراء میں اپنے لئے ایک الگ راستہ بنانے پر مجبور ہو گئے اور اسی راستے سے فرار ہو گئے، انہوں نے انخلاء کے وقت بھاری لاگت سے بنائے گئے اڈوں کو بموں سے اڑا کر تباہ کر دیا اور یوں وہ ہمیشہ کے لئے یہاں سے چلے گئے۔

چینار و تنبیل اور لام علاقوں میں امریکیوں نے کچھ لوگوں کو قومی ملیشیا کے نام پر اسلحہ دیا تھا جب یہاں سے امریکی فرار ہوئے تو وہ مسلح لوگ جن کی تعداد سو سے زائد تھی اسلحہ سمیت مجاہدین کو تسلیم ہوئے، اسی طرح مکمل ضلع مجاہدین کے زیر کنٹرول آگیا اب کوئی مشکل نہیں صرف شہر میں قومی ملیشیا کے نام سے چند افراد موجود ہیں۔ مجاہدین کے مطابق گزشتہ سال دشمن کے لئے بڑے پیمانے پر جان لیوا ثابت ہوا جبکہ شہادت سے سرفراز ہونے والے مجاہدین کی تعداد صرف ۱۶ رہی

ضلع میانشین:

ضلع میانشین قندہار کے شمال میں واقع ہے یہ ضلع گزشتہ چند سالوں سے مکمل طور پر مجاہدین کے کنٹرول میں ہے، گزشتہ سال ملکی اور غیر ملکی فوجیوں کی ایک تعداد اس ضلع کے دور واقع اور ضلع شاولی کوٹ سرحد کے قریب سرنادی گاؤں میں آکر 20 گھروں پر اپنا تسلط جما لیا۔

میانشین پر طالبان کا قبضہ ہے صرف ہیڈ کوارٹر میں امریکیوں نے اب تک ایک اڈہ برقرار رکھا ہے۔۔۔۔۔۔ بقیہ صفحہ نمبر 26 پر ملاحظہ فرمائیں

افغانستان گزشتہ جنوری میں

تحریر: احمد فارسی

نوٹ: اس تحریر میں صرف ان واقعات، حادثات اور نقصانات کی جانب اشارہ کیا گیا ہے جس کا دشمن نے اعتراف کیا ہے۔ روزانہ کے چھوٹے چھوٹے واقعات الامارہ اور دوسری ویب سائٹس پر روزانہ ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

2013ء جنوری کے مہینے میں انتہائی اہم واقعات وقوع پذیر ہوئے۔ اس مہینے میں مقامی اور بیرونی دشمنوں کو بھاری مالی نقصانات اٹھانے پڑے ہیں۔ ذیل کی تحریر میں ہم اس کا مختصر جائزہ لیتے ہیں۔

جانی نقصانات:

اس میں شک نہیں کہ گذشتہ مہینے کے دوران 5 لاکھ کے قریب خارجی فوجی افغانستان چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔ بہت سے اڈے اور فوجی بیس چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ ان کا وجود چند اڈوں تک محدود ہو گیا ہے اس لیے ماضی کی بنسبت جارحیت پسندوں کے جانی نقصانات کم ہو گئے ہیں۔ لیکن اس میں بھی کوئی دورائے نہیں کہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے سٹریٹجی پر توجہ دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے نقصانات کے اعداد و شمار چھپائے ہوئے ہیں۔ اسی موضوع پر گذشتہ تحریروں میں تفصیل سے بات ہو چکی ہے۔

درجہ بالا یادداشت کی بناء پر خارجی جارحیت پسندوں نے جنوری کے مہینے میں اپنے صرف 8 فوجیوں کی ہلاکت کا اعتراف کیا تھا جن میں 3 امریکی اور 2 برطانوی فوجی شامل ہیں۔ اگر گذشتہ گیارہ سالوں میں دشمن کے اعترافات کو دیکھا جائے تو یہ 2007 کے بعد سب سے کم اعداد و شمار ہیں جس کا دشمن نے اعتراف کیا ہے۔ جارحیت پسندوں کو سب سے زیادہ نقصانات جنوری 2012ء میں پہنچے ہیں۔ جس میں جارحیت پسندوں کے 43 فوجی ہلاک ہوئے ہیں۔ مذکورہ 8 افراد کے بشمول گذشتہ گیارہ سالوں میں دشمن کے اعترافات کے مطابق کل 3258 فوجی ہلاک ہو چکے ہیں جو حقیقی اعداد و شمار سے کئی گنا کم ہیں۔

دوسری طرف خارجی جارحیت پسندوں میں خودکشی کے واقعات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ رپورٹ کے مطابق 4 جنوری کو جمعہ کے دن ایک امریکی فوجی نے زخمی ہونے اور اپنے ملک کو فرار ہونے کے بعد خودکشی کر لی۔ رابرٹ گریفیٹ جو ہلمند ضلع نہر سراج میں زخمی ہو گیا تھا۔ علاج معالجے کے بعد اسے امریکا لے جایا گیا۔ اگرچہ اس خودکشی کے واقعے کی تفصیلات تادم تحریر سامنے نہیں آئیں لیکن سینکڑوں امریکی فوجی ایسے ہیں جو اپنے ملک پہنچنے کے بعد بھی جنگ کی شدت اور اپنے کیے ہوئے مظالم کے باعث کئی دماغی و اعصابی بیماریوں کا شکار ہو گئے ہیں۔ انہیں بیماریوں کے باعث ان فوجیوں میں قتل اور خودکشی کے واقعات میں اضافہ سامنے آیا ہے۔

2 ربیع الاول کو وحشی امریکیوں نے اعداد و شمار پیش کیے جس میں بتایا گیا ہے کہ 2012ء سال کے دوران 349 امریکی فوجیوں نے خودکشی کی ہے۔ حالانکہ غیر رسمی اور غیر تائید شدہ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ ہونے والے واقعات اس سے کئی گنا زیادہ ہیں۔

حال ہی میں جنوری 2013ء کے اواخر میں نشر ہونے والی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ روزانہ 22 فوجی جنگ سے تنگ آکر خودکشی کر رہے ہیں۔ یہ اعداد و شمار ان ہزاروں زخمیوں اور دائمی معذوروں کے علاوہ ہیں جنہوں نے جسم کے حصے گنوائے ہیں، جو ہر دن اپنے حقوق کے حصول کے لیے سڑکوں پر نکل آتے ہیں مگر جارحیت پسند حکومت ان کی قربانیوں پر توجہ تک نہیں دے رہی۔

مالی نقصانات:

اگرچہ داخلی اور خارجی دشمن کے بڑھتے ہوئے نقصانات کی روزانہ کی بنیاد پر گنتی اور باریک حساب کتاب مشکل ہے مگر ماہانہ مالی نقصانات کا تخمینہ افغانی کرنسی کے مطابق ملینوں میں لگایا جاسکتا ہے۔ افغانستان کے کئی علاقوں میں روزانہ مشترکہ دشمن کے درجنوں ذرائع نقل و حمل، گاڑیاں، ٹینک، بکتر بند گاڑیاں اور دیگر وسائل دھماکوں میں تباہ اور ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے ہیں۔ اسی ماہ {جنوری} کے دوران امارت اسلامیہ کے سرفروش مجاہدین نے صوبہ پکتیکا ضلع جانی خیل میں ایک بغیر پائلٹ امریکی طیارہ گرا کر تباہ کر دیا۔

شکست کے بعد موت کو دعوت:

3 جنوری جمعرات کے روز بوسنیا حکومت نے ایک غیر رسمی اعلان میں اپنے 24 فوجی افغانستان بھیجنے کا اعلان کیا۔ بوسنیا فوج کے ترجمان ہر گوینا نے فرانس کی خبر ایجنسی کو بتایا کہ "یہ فوجی دس ماہ تک عسکری ذمہ داریاں نبھانے کے لیے افغانستان میں رہیں گے۔ ان کی ڈیوٹی ایساف کے افواج کے ساتھ صوبہ قندہار میں ہو گی۔

واضح رہے بوسنیا حکومت نے حال ہی میں ناٹو میں شمولیت کا مطالبہ کیا تھا۔ اسی لیے بوسنیا حکومت اپنے کچھ بیٹوں کی قربانی دے رہی ہے تاکہ ناٹو کی رکنیت حاصل کی جاسکے۔ یاد رہے ترکی حکومت عرصہ دراز سے اس رکنیت کے حصول کے لیے بے

دریغ قربانیاں دے رہی ہے۔ مگر اس تنظیم کے رکن ممالک کا کہنا ہے کہ ترکی ایک مسلمان ملک ہے اس لیے ناٹو کی تنظیم میں اس کی شرکت ناممکن ہے۔
ایک طرف بوسنیا افغانستان میں اپنے فوجی تعینات کرنا چاہتا ہے دوسری طرف امریکا افغانستان میں اپنی بقا اور دوام کا حوصلہ ہار رہا ہے۔ جنرل ایلین نے اسی روز خبر دی کہ وہ آئندہ مہینے میں افغانستان میں اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو جائے گا۔ جنرل ایلن گذشتہ سال نومبر کے مہینے میں ایک خاتون صحافی کے ساتھ ناجائز تعلقات کے جرم میں برطرف کر دیے گئے تھے، بعد ازاں وائٹ ہاوس نے ان کی برطرفی میں تاخیر کا حکم دیا تھا۔ اس سے قبل بھی بہت سے اعلی سطحی فوجی جنرل اور افسران ناجائز تعلقات کے جرم میں استعفی پر مجبور کر دیے گئے تھے۔

ملکی دشمن کے نقصانات:

جس طرح گذشتہ مہینوں میں ذکر کیا گیا کہ داخلی دشمن کے روز بروز بڑھتے نقصانات کی باریک بینی سے تحقیق ناممکن ہے۔ لیکن برطانیہ کے گارجین میگزین نے 29 جنوری بروز منگل اپنی ایک خصوصی رپورٹ میں بتایا کہ گذشتہ چھ ماہ کے دوران مزدور فوج کے 1100 اہلکار مارے گئے ہیں۔ جبکہ تحقیقی اور با اعتماد رپورٹیں بتاتی ہیں کہ اصل تعداد اس تعداد سے کئی گنا زیادہ ہے۔ ذیل کی سطور میں کٹھ پتلی حکومت کے اہم نقصانات کا جائزہ لیا جائے گا۔
امارت اسلامیہ کی ویب سائٹ الامارہ کی رپورٹ کے مطابق گذشتہ جنوری میں پولیس اور نیشنل آرمی کے 30 کمانڈر مارے گئے۔
8 جنوری بروز منگل پولیس کے 2 اعلی سطحی افسر صوبہ قندوز میں مجاہدین کے ہاتھوں مارے گئے۔ مجاہدین نے دو مختلف حملوں میں ضلع دشت ارچی کے پولیس مرکز کے سربراہ اور علاقائی پولیس {اربکیوں} کے ایک کمانڈر کو ہلاک کر دیا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان حملوں میں دشمن کے نچلے سطح کے پولیس افسر اور افراد بھی ہلاک اور زخمی ہو گئے ہیں۔
اس واقعے کے اگلے دن 90 پولیس اہلکار بلخ پولیس اکیڈمی میں بے ہوش کر دیے گئے۔ پولیس کو بے ہوش کرنے کے واقعات دشمن کی صفوں میں نفوذ کرنے والے مجاہدین کے ہاتھوں انتہائی تیزی و قوع پذیر ہو رہے ہیں۔ عین اسی وقت اور اسی دن قندوز ضلع دشت ارچی کے جیل کا سربراہ مجاہدین کے حملے میں ہلاک ہو گیا۔
11 جنوری بروز جمعہ ایک اور حملے میں ہرات کورٹ آف اپیلز کے اٹارنی جنرل ڈائریکٹر ہلاک ہو گیا۔
15 جنوری بروز بدھ صوبہ اروزگان کے دارالحکومت ترینکوٹ شہر میں مزدور حکومت کے 3 سیکیورٹی اہلکار امارت اسلامیہ کے مجاہدین کے حملوں میں ہلاک ہو گئے۔ اس کے علاوہ بدھ کے روز صوبہ قندہار ضلع پنجوائی میں کرائے کے رضاکاروں {اربکیوں} کی ایک چیک پوسٹ میں ایک اہلکار نے وہاں موجود تمام فوجیوں کو پہلے بے ہوش کیا۔ بعد ازاں چیک پوسٹ پر موجود اپنے سربراہ کو قتل کر کے اسلحہ کے ساتھ وہاں سے فرار ہو کر طالبان سے ملنے میں کامیاب ہو گیا۔ لائے گئے اسلحے میں دو کلاشنکوف اور ایک مشین گن شامل ہیں۔ اربکیوں کے ذرائع نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے کہ مذکورہ شخص فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہے۔
ان واقعات کے ایک دن بعد امارت اسلامیہ کے مجاہدین نے صوبہ کاپیسا ضلع نجراب میں جنگوں اور جرائم میں ملوث ایک پولیس افسر کو قتل کر دیا۔ اس حملے میں دو پولیس اہلکار شدید زخمی ہو گئے۔
27 جنوری بروز اتوار صوبہ فراہ ضلع پشت کوہ کے سیکیورٹی کمانڈر مجاہدین کے حملوں کا نشانہ بنا۔ اس واقعے کے ایک دن بعد صوبہ کاپیسا ضلع کوہستان حصہ دوئم کا کمشنر مجاہدین کے حملے میں ہلاک ہو گیا۔

ملک کی "تعمیر نو" کرنے والے خدمت گار بھاگ گئے:

یکم جنوری بروز منگل بی بی سی ریڈیو نے اپنی ایک خصوصی رپورٹ میں بتایا کہ کرزئی حکومت کے 4000 سے زائد سفارتکار اور نمائندے بیرون ممالک میں مستقل رہنے کے لیے پناہ مانگ رہے ہیں۔
کرزئی حکومت کے اہلکار گذشتہ چند سالوں سے مسلسل فرار کی راہ اختیار کیے ہوئے ہیں۔ ہر سال سینکڑوں نمائندے بیرون ملک جانے کے بعد واپس آنے کا نام نہیں لیتے۔ رپورٹ میں مزید کہا گیا کہ بیرون ملک فرار ہونے والے یہ نمائندے اور سفارتکار وہ لوگ ہیں جنہیں رشوت اور سفارش کے ذریعے سفارتکار متعین کیا جاتا ہے۔ معینہ مدت کے اختتام پر واپس اپنے ملک نہیں آتے۔ یاد رہے ان فرار ہونے والے افراد میں اراکین پارلیمنٹ بھی شامل ہیں۔
کٹھ پتلی حکومت میں موجود لوگ خاص طور پر سفارتکار ہمیشہ سے ملک کی خدمت اور تعمیر نو کی باتیں کرتے نہیں تھکتے، اسی بہانے وہ کروڑوں ڈالر ہضم بھی کر چکے ہیں۔ اب ڈالر ختم ہو گئے ہیں تو فرار کی راہ انہیں ملک کی خدمت اور تعمیر نو سے زیادہ اچھی لگتی ہے۔

مجاہدین کی صفوں میں لوگوں کی شمولیت:

موصول ہونے والی رپورٹس بتاتی ہیں کہ گذشتہ مہینے کے دوران دشمن کی صفوں سے سینکڑوں افراد حقائق کے ادراک کے بعد دشمن سے الگ ہو کر مجاہدین میں شامل ہو گئے ہیں۔ دعوت وارشاد اور جلب وجذب کمیشن کی رپورٹوں کے مطابق گذشتہ مہینے میں مزدور فوج کے کم از کم 146 اہکار اپنے ہلکے اور بھاری اسلحوں کے ساتھ مجاہدین کے ساتھ مل گئے ہیں جن میں اکثر فوج کے کمانڈر ہیں۔ دشمن کے ہتھیار ڈالنے کے کچھ واقعات کی طرف ذیل میں اشارہ کریں گے۔
7 جنوری صوبہ فراہ سے ملنے والی اطلاعات کے مطابق صوبے میں تقریبا 4 پولیس اہلکار پولیس سے الگ ہو گئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ افراد ضلع خاک سفید میں اپنی چیک پوسٹ چھوڑ کر اسلحہ سمیت مجاہدین سے مل گئے ہیں۔

15 جنوری بروز بدھ صوبہ قندھار ضلع پنجوائی میں اربکیوں کی چیک پوسٹ میں موجود ایک اہلکار نے چیک پوسٹ میں موجود دیگر افراد کو بے ہوش اور چیک پوسٹ کے کمانڈر کو قتل کر دیا۔ اور دو کلاشنکوف اور ایک مشین گن کے ساتھ طالبان سے ملنے میں کامیاب ہوگیا۔ دشمن نے اس واقعے کا اعتراف کیا ہے۔

20 جنوری کو صوبہ نیمروز ضلع خاشرود میں تین پولیس اہلکار ایک عدد رینجر گاڑی 12 میل اسلحے کے ساتھ مجاہدین سے مل گئے ہیں۔

23 جنوری صوبہ نیمروز ضلع خاشرود میں ایک کمانڈر اپنے دو فوجیوں، ایک مشین گن، ایک راکٹ، دو عدد ثقیل مشین گن، دو مارٹر، 8 میل کلاشنکوف، اور ایک عدد رینجر کے ساتھ مجاہدین سے مل گئے۔

30 جنوری خوست کے قومی شوری کا معاون امارت اسلامیہ کے جلب وجذب کمیشن کی دعوت پر مجاہدین سے مل گیا۔

یاد رہے اربکی وہ پولیس یا علاقائی لشکر ہیں جو جارحیت پسند فوج کے سربراہ جان ایلن کی اسٹریٹیجی کا بڑا حصہ ہیں۔ یہ لشکر اور پولیس براہ راست امریکی فوج کی کمان میں لڑتے ہیں۔ ان کو رقم، اسلحہ اور مراعات براہ راست امریکی جنرلز سے ملتے ہیں۔ یہ امریکی فوج کی طرح مراعات کے مستحق سمجھے جاتے ہیں۔ کرزئی کی سول انتظامیہ، نیشنل آرمی یا پولیس کے کسی محکمے کے ماتحت نہیں ہوتے ۔ یہ پولیس اب آقا اور غلام دونوں کے سردردی کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ ملک کے کونے کونے میں یہ پولیس موجود ہے جو طرح طرح کے مظالم ڈھا رہے ہیں۔ ان کے یہی مظالم خارجی فوجیوں اور داخلی غلاموں کے خلاف عوام کے سخت نفرت اور شدید ردعمل کا باعث ہیں۔

ایساف کے جارحیت پسند فوجیوں نے ملکی لوگوں کے ایک 303 موٹر سائیکل سے تصادم کیا جس میں 13 افراد زخمی ہوگئے۔

غاصب فوجیوں کی جانب سے مختلف بہانوں سے ملکی لوگوں کا قتل اب روزمرہ کا معمول بن گیا ہے۔ جس کے خلاف کٹھ پتلی حکومت کسی قسم کا ردعمل نہیں دکھا سکتی

13 جنوری بروز اتوار صوبہ میدان وردگ ضلع سید آباد تنگی کے علاقے میں بچوں اور خواتین سمیت کم از کم 7 بے گناہ افراد شہید ہو چکے ہیں۔ غاصب فوجیوں نے گذشتہ سال کے خونریز واقعات کے بعد جس میں 32 امریکی کمانڈو ہلاک ہوگئے اس گاؤں کے مظلوم عوام سے اپنا انتقام لینا شروع کیا۔ اس لیے وہ وقتاً فوقتاً درجنوں عوام کو شہید کر کے اپنی غیظ وغضب کی آگ ٹھنڈی کرتے ہیں۔

18 جنوری بروز جمعہ صوبہ ہرات ضلع شینڈنڈ میں 2 خواتین کو شہید کر دیا۔ اب حال یہ ہے کہ علاقے کے تمام لوگ دو خواتین کی شہادت پر گواہ ہیں مگر مکار امریکی دشمن نہایت ہٹ دھرمی سے 2 طالبان شہید کرنے کا دعوی کرتا ہے۔ دوسری طرف 21 جنوری کو جارحیت پسندوں نے صوبہ ہلمند ضلع ناد علی میں وحشیانہ بمباری کر کے بہت سے لوگوں کو شہید کیا۔

ملکی لوگوں کی تکلیفیں اور ان کو اذیت:

ملکی لوگوں کو دیے جانے والے اذیت ناک واقعات کی تفصیل اس مختصر تحریر میں ممکن نہیں۔ مگر امارت اسلامیہ کی ویب سائٹ کی تیار کردہ رپورٹ ۔۔۔۔۔ ۔۔ جو بی بی سی، آزادی ریڈیو اور مختلف خبری چینلز کی اطلاعات سے مرتب کی گئی تھی ۔۔۔۔۔۔ میں کہا گیا کہ گذشتہ مہینے میں غاصبوں اور مزدور فوجیوں کی جانب سے کم از کم 41 ملکی افراد شہید جبکہ 41 قید ہوگئے ہیں۔ اس مہینے میں زخمی ہونے والے عام افراد کی تعداد شہیدوں اور قیدیوں سے زیادہ ہے۔ یہاں کچھ واقعات کی جانب اشارہ کریں گے۔ کٹھ پتلی حکام نے مظلوم اور بے سہارا عوام پر مظالم کے تسلسل میں 8 جنوری بروز منگل صوبہ لغمان میں سینکڑوں ملکی لوگوں کو صرف اس لیے تشدد کا نشانہ بنایا کہ انہوں نے ملکی جھنڈا پھاڑ دیا تھا۔ اسی روز صوبہ قندہار میں اربکیوں نے ایک اور وحشت ناک کارروائی کرتے ہوئے 2 خواتین سمیت 3 افراد کو قتل اور گھروں کو لوٹ لیا۔ اس واقعے کے ایک روز بعد خارجی غاصبوں نے قندہار میں ایک ملکی فرد کو شہید اور 3 کو زخمی کر دیا۔ یہ واقعہ اس وقت سامنے آیا جب اس صوبے کے خواجہ بابا علاقے میں غاصب فوجیوں نے قصداً اپنی گاڑی سے ایک چنگ چی موٹر سائیکل کو ٹکر ماری

24 جنوری بروز ہفتہ جارحیت پسندوں نے صوبہ بلخ کے مرکز مزار شریف میں ایک موٹر سائیکل سوار شخص کو ٹکر مار ہلاک کر دیا اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ غلطی سے موٹر سائیکل سے ان کا تصادم ہوگیا ہے۔ دو دن بعد

22 جنوری بروز منگل صوبہ پروان ضلع سیاہ گرد کے شہریوں نے کابل حکومت کی پولیس اور اربکیوں کے خلاف بے گناہ عوام پر تشدد کی شکایت کی۔ ایک اور واقعے میں 27 جنوری کو خارجی فوجیوں نے لوگر ضلع برکی برک میں تین ملکی لوگوں کو شہید کر دیا۔

اسی طرح میدان وردگ کے عام شہری بھی جارحیت پسندوں کے مظالم سے تنگ آگئے ہیں اور مختلف طریقوں سے اپنا ردعمل دکھا رہے ہیں۔ آخر کار مجبور ہو کر شکایت کرنے والوں نے حکام کو دھمکایا کہ اگر بار بار کے توجہ دلانے کے بعد بھی شنوائی نہ ہوئی تو وہ فطری ردعمل دکھانے پر مجبور ہو جائیں گے۔ صدر حامد کرزئی نے اس قضیے کی تحقیق کے لیے کمیشن قائم کر دیا ہے۔ تاکہ اس قضیے کی تحقیق کی جائے اور حل کے لیے راہ ہموار کی جائے۔ اس کے باوجود اب تک جارحیت پسندوں کی جانب سے پر تشدد کارروائیوں میں کمی نہیں آئی۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کے لوگ اپنا علاقہ، باغات اور گھر چھوڑ کر ہجرت کر رہے ہیں۔

31 جنوری بروز جمعرات صوبہ کنڑ ضلع خاص کنڑ میں امریکی جارحیت پسندوں نے ملکی لوگوں کو نشانہ بنایا۔ نیشنل آرمی کے اعتراف کے مطابق کم از کم 3 ملکی افراد

زخمی ہو گئے ہیں۔

وحشیت وبربریت کا اعتراف اور گواہی:

15 جنوری بروز بدھ امریکی جارحیت پسندوں نے اعلان کیا کہ افغانستان کی جیلوں میں کٹھ پتلی حکومت کی جانب سے ہونے والے مظالم کے باعث ہمارے لیے یہ ممکن نہیں کہ معاہدے کے مطابق تمام قیدی افغان حکومت کے حوالے کردیں۔ افغان قیدیوں کے ساتھ ناروا سلوک وہ مسئلہ جس کی وجہ سے ملکی وغیر ملکی انسانی حقوق کی تنظیموں نے بار بار کرزئی حکومت کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا۔ مگر تاحال اس حوالے سے کوئی رد عمل سامنے نہیں آیا۔ امریکی جارحیت پسندوں نے اس حال میں قیدیوں کے حوالے سے کرنے سے انکار کیا جب ان کے اعترافات کے مطابق ان کے کنٹرول میں موجود تمام جیلوں میں افغان قیدیوں پر مظالم اپنے عروج پر ہیں۔ گذشتہ مہینے جارحیت پسندوں نے اعتراف کیا کہ ان کی قید میں 200 بچے قید ہیں مگر دیگر ذرائع کا کہنا ہے کہ یہ تعداد 500 ہے۔

21 جنوری بروز پیر برطانوی حکام نے ایک بار پھر اس تلخ حقیقت کا اعتراف کیا کہ وہ کرزئی حکومت کے زیر کنٹرول علاقوں میں موجود جیلوں کی حمایت سے دستبردار ہو رہے ہیں۔ اس رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ آدھے قیدیوں نے پوچھنے پر بتایا کہ انہیں شدید اذیت اور عقوبت میں رکھا جاتا ہے۔ رپورٹ میں مزید کہا گیا کہ قیدیوں کو سخت جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور بجلی کے کرنٹ دیے جاتے ہیں۔

ایساف کے جارحیت پسند فوجیوں نے بھی اس رپورٹ کی تائید کی ہے اور مزید کہا ہے کابل حکومت کے زیر کنٹرول جیلوں میں ہونے والے ناروا سلوک کے باعث مزید جیلوں کا کنٹرول افغان حکومت کے حوالے نہیں کرسکتے۔ لیکن ان تصدیقات اور اعترافات کے باوجود غاصب جارحیت پسندوں اور کٹھ پتلی حکومت کے حکام نے اس رپورٹ کو غلط قرار دیا اور اپنے آقاؤں کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ اگرچہ کرزئی انتظامیہ کی جیلوں اور عقوبت خانوں میں ہونے والے مظالم کے بارے میں ذرائع ابلاغ پر بار بار شور اٹھتا ہے مگر عملی طور پر اس حوالے سے کوئی اقدام اب تک نہیں اٹھایا گیا۔ اور نہ اس کا کوئی ثمرہ نظر آیا ہے۔

جارحیت پسندوں سے عوامی نفرت اور دشمن کی صفوں میں نفوذ:

افغانستان کے غیور عوام وقتاً فوقتاً امریکی غصب اور قبضے کے بعد سے اب تک مختلف طریقوں سے مزاحمت اور نفرت کا اظہار کر رہے ہیں اور یہ مزاحمت اب تک جاری ہے۔ یہی عوامی نفرت ہے کہ کبھی کبھی دشمن کی صفوں میں کچھ باضمیر و بااحساس افغان فوجی خارجی اور داخلی دشمنوں پر حملے کر کے مجاہدین سے مل جاتے ہیں۔ اسی طرح مجاہدین نے بھی کئی افراد دشمن کی صفوں میں مقررہ وقت پر تکنیکی اور کامیاب جہادی حملے کرنے کے لیے متعین کردیے ہیں۔

انہی نفرت انگیز مظاہروں کے سلسلے میں 4 جنوری بروز اتوار صوبہ اروزگان ترین کوٹ کے رہائشیوں نے تنگ آکر کرزئی انتظامیہ کے خلاف مظاہروں کا آغاز کردیا۔ ہزاروں کی تعداد میں مظاہرین ظلم اور بدامنی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے نعرہ بازی کر رہے تھے۔

اس واقعے کے بعد 7 جنوری کو صوبہ ہلمند ضلع نہرالسراج میں ایک فوجی نے برطانوی فوجیوں پر فائرنگ کر کے 7 برطانوی فوجیوں کو ہلاک کردیا۔ ملکی اور غیر ملکی دشمن نے اس واقعے کی تصدیق کی ہے۔ لیکن انہوں نے کہا کہ اس حملے میں ایک فوجی ہلاک اور چھ زخمی ہوئے ہیں۔ اس واقعے کے فوراً بعد ایساف فوج کے ترجمان گونٹر کٹز نے اعلان کیا کہ اندرونی حملے اب بھی ان کے لیے ایک بڑا چیلنج ہے۔ اس واقعے کے متعلق نشر کیے جانے والے اعلامیہ کے مطابق 2012_11 میں اب تک اس طرح کے 70 حملے ہو چکے ہیں۔ جس میں 94 جارحیت پسند فوجی ہلاک ہو چکے ہیں۔

افغان عوام میں غاصب قوتوں کے خلاف ادراک اور شعور روز بروز بڑھ رہا ہے اس لیے وہ بہت تیزی سے ملکی و غیر ملکی فوج کے خلاف میدان میں اتر رہے ہیں۔ 12 جنوری بروز ہفتہ کاپیسا ضلع تگاب کے شہریوں نے نیشنل آرمی اور اربکیوں کے ظلم وستم کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور مظاہروں ریلیوں کا آغاز کردیا۔ مگر کرزئی انتظامیہ نے ان کے احتجاج اور مطالبات پر کوئی توجہ نہیں دی۔

21 جنوری کو ننگرہار ضلع بتی کوٹ کے شہریوں نے ملکی فوجیوں سے مڈبھیڑ کے بعد شدید اشتعال انگیز مظاہروں اور احتجاجوں کا سلسلہ شروع کردیا۔

15 جنوری بروز منگل صوبہ فراہ ضلع بالا بلوک میں تین افغان فوجیوں نے اطالوی غاصب فوجیوں کو آگ لگادی جس میں کم از کم 3 فوجی ہلاک ہوگئے۔ بتایا گیا ہے کہ اس واقعے میں مزید 4 اطالوی فوجی شدید زخمی ہوگئے ہیں۔

اگرچہ خارجی دشمن نے بارہا وسیع پیمانے پر مجاہدین کے نفوذ کا انکار کیا ہے مگر 22 جنوری کو ایساف نے اعتراف کیا کہ اندرونی حملے دشمن کے حربے ہیں۔ جس کی روک تھام کرنے کی کوشش جاری ہے۔ ماضی میں جارحیت پسندوں نے نفوذ کا واضح اعتراف کیا ہے مگر یہ تعداد 3000 سے کم بتائی۔

ایساف کے معاون کے اعتراف کے مطابق ایک مرتبہ ایک افغان پولیس نے صوبہ لغمان ضلع علی شنگ میں خارجی فوجیوں پر حملہ کیا اور کم از کم 2 غیر ملکی فوجیوں کو ہلاک کردیا۔ مذکورہ واقعہ جو مشت نمونہ خروار کے طور پر پیش کیا گیا ایسے حملوں میں دشمن کی ہلاکتوں کی تعداد ظاہر کرتا ہے۔ جیسا کہ اوپر کہا گیا کہ صرف گذشتہ مہینے میں دشمن نے اس طرح آٹھ واقعات کے وقوع پذیر ہونے کا اعتراف کیا۔

سرمایہ کی لوٹ مار:

نیویارک ٹائمز نے کابل ہوائے پر موجود اپنے ذرائع کے حوالے سے گذشتہ سال دسمبر میں دی جانے والی اپنی ایک رپورٹ میں بتایا کہ اس سال صرف اکتوبر میں کم از کم 540 پاؤنڈ سونا جو 14 ملین ڈالر کی مالیت رکھتا ہے اس راستے سے باہر منتقل ہوگیا ہے۔ اس کے بعد 4 جنوری بروز اتوار افغانستان قومی بینک کے چیئر

مین نے اعلان کیا کہ اس بینک سے 450 امریکی ڈالر چورے ہو گئے ہیں۔ملک میں لوٹ مار مختلف شکلوں میں جاری ہے۔پارلیمنٹ کی ایک کمیٹی نے صوبہ نورستان کے ایک دورے کے بعد 8 جنوری کو دی جانے والی اپنی رپورٹ میں کہا کہ اس صوبے میں 2700 میل اسلحہ اور 50 رینجر گاڑیاں چوری ہو گئی ہیں۔یہ قابل ذکر ہے کہ بہت سی گاڑیاں دشمن کی جانب سے تباہ کردی گئی ہیں اور بہت سی ملی اردو {نیشنل آرمی} اور پولیس کی صفوں میں موجود افراد نے چوری کر کے تباہ کردی ہیں۔

ملک بیچنے کا ایک اور معاہدہ:

8 جنوری بروز منگل حامد کرزئی امریکا کے دورے پر واشنگٹن گیا۔اس دورے کا مقصد نئے معاہدے اور ملک کو بیچنے کے نئے منصوبوں پر دستخط کرنا تھا۔ان معاہدوں کے علاوہ ایک معاہدہ افغانستان کی سرزمین پر موجود اپنے آقاؤں کو قانونی تحفظ کی فراہمی کے معاہدے پر دستخط کرنا تھا۔موصوف نے دورے سے دو دن قبل کہا تھا کہ " دو مستقل اور خود مختار ممالک آپس میں سیکیورٹی معاہدہ کر سکتے ہیں"۔حامد کرزئی نے آزادی اور خود مختاری کا دعوی کیا حالانکہ اپنی ایک مشہور تقریر میں جو انہوں نے جون 2012 میں کی تھی کہا تھا "امریکا ہمارے ملکی معاملات میں مداخلت کر رہا ہے۔"

اس دورے کے دو دن بعد کابل انتظامیہ کے آقاؤں نے کہا کہ 2014 کے بعد تمام غیر ملکی افواج افغانستان سے نکل جائیں گی۔کابل انتظامیہ میں موجود لوگوں کو یہ اعلان سنتے ہیں اپنا انجام سامنے نظر آنے لگا۔اس لیے انہوں نے شور مچانا شروع کردیا اور یہ اندیشہ ظاہر کیا کہ تمام خارجی فوجیوں کے نکلنے سے ملک میں اندرونی اختلافات اور خانہ جنگی پیدا ہو جائے گی۔اور ملک ایک بار پھر تباہی کی جانب گامزن ہو جائے گا۔

اس دورے میں حامد کرزئی نے امریکی صدر سے تعاون کے نئے معاہدوں اور 2014 کے بعد افغانستان میں غیر ملکی افواج کی موجودگی کی ضمانت کا مطالبہ کیا۔امریکی صدر بارک اوبامہ 13 جنوری کو اپنے غلام حامد کرزئی کے ساتھ ایک ملاقات میں کہا کہ "2014 کے بعد افغانستان میں غیر ملکی فوجیوں کی موجودگی ان کے قانونی تحفظ سے مشروط ہو گی۔اس نے کہا کہ افغانستان میں جب تک امریکی فوجی رہیں گے انہیں قانونی تحفظ اور ضمانت حاصل ہو گی۔"

امریکی وحشی فوجی ہر ملک میں موجود رہے ہیں۔ہر جگہ بے شمار جرائم کے مرتکب ہوئے ہیں۔اس لیے جارحیت پسندوں کے صدر نے واضح کہا کہ جارحیت پسند فوجی کسی بھی ایسے ملک میں قیام نہیں کریں گے جہاں انہیں قانونی تحفظ کی ضمانت حاصل نہ ہو۔اس بات چیت کے بعد حامد کرزئی نے سی این این کے ساتھ خصوصی گفتگو میں کہا کہ "اسے اطمینان ہے کہ اس کے ساتھی امریکی فوجیوں کو دی جانے والی قانونی تحفظ میں ان کی تائید و حمایت کریں گے"۔مگر اگلے روز اس نے کہا کہ قانونی تحفظ دینے کی ضمانت کا اختیار "لویہ جرگہ" کو حاصل ہے۔

جب یہ غاصب غیر ملکی فوجی چاہتے ہیں کہ اپنا کوئی فیصلہ عوام پر مسلط کردیں تو اس کے لیے اپنے غلاموں کا ایک اجتماع بلاتے ہیں اور اسے لویہ جرگہ کا نام دے کر اس میں فیصلے منظور کرواتے ہیں۔بعد ازاں یہ فیصلے عوام کے سر تھوپ دیے جاتے ہیں۔

قانونی تحفظ اور نمائشی فیصلے:

کرزئی کے دورہ واشنگٹن اور امریکی غاصبوں کے اس اعلان سے کہ 2014ء کے بعد تمام فوجی افغانستان سے نکل جائیں گے کابل انتظامیہ کے حکام سخت دہشت زدہ ہو گئے ہیں۔انہوں نے اعلان کیا ہے کہ ان کی زندگی ملک پر جارحیت پسندوں کے غاصبانہ قبضے سے مشروط ہے۔مگر 11 جنوری بروز جمعہ امریکی وزیر دفاع لیون پینٹا نے اعلان کیا کہ وہ افغانستان سے مکمل انخلاء نہیں کریں گے۔اگرچہ اوبامہ نے اعلان کردیا ہے کہ 2014 کے بعد وہ افغانستان میں نہیں رہیں گے مگر انہوں نے C130 طیارے افغانستان بھیجنے کا اعلان کیا ہے۔یہ طیارے کابل انتظامیہ کے حوالے کیے جائیں گے۔

اوباما نے اس کے بدلے کرزئی سے مطالبہ کیا ہے کہ ان کے جرائم پیشہ وحشی فوجیوں کو یقینی قانونی تحفظ کی ضمانت فراہم کی جائے بصورت دیگر ان کا مطالبہ منظور نہیں کیا جائے گا۔کرزئی نے کہا ہے کہ حکومت پر مکمل کنٹرول نہ ہونے کے باعث ان کے لیے قانونی تحفظ کی ضمانت فراہم کرنا ممکن نہیں۔اوبامہ اگر مطالبے پر ڈھٹ گیا تو کرزئی کبھی بھی اس طرح کا معاہدہ نہیں کرنے پائیں گے۔کیوں کہ کرزئی انتظامیہ کو کبھی عوامی پشت پناہی اور عوامی حکومت حاصل نہیں ہوئی۔خود کرزئی نے اس کا بار بار اعتراف کیا ہے۔

امارت اسلامیہ افغانستان جارحیت پسند فوجیوں کی افغانستان میں بقا کو جنگ کا تسلسل سمجھتی ہے۔امارت اسلامیہ نے آقا اور غلام کے درمیان ہونے والے تمام معاہدوں کی مذمت کی ہے اور تمام معاہدوں کو کالعدم قرار دیا ہے۔

ایک طرف تو کرزئی انتظامیہ اپنے آقاؤں سے قانونی تحفظ کا معاہدہ کرنے کا سوچ رہی ہے دوسری طرف 10 جنوری بروز جمعرات پولینڈ حکومت نے اعلان کیا کہ وہ اپنے ملک کے چار مجرم فوجیوں کے بارے میں فیصلہ سنائیں گے جن پر الزام تھا کہ انہوں نے بے گناہ عوام پر مظالم ڈھائے اور قصدا بے گناہ لوگوں کو قتل کیا۔واضح رہے ان فوجیوں کو شواہد اور ثبوتوں کے باوجود ابتدائی عدالت نے بری کردیا تھا۔

18 جنوری بروز جمعہ ایک اور خبر نشر ہوئی، جس سے امریکی فوجیوں کی ناانصافی کا پتہ چلتا ہے۔خبر میں کہا گیا ہے کہ امریکی عدالت کے جج نے حکم دیا ہے کہ قندہار زنگاوات کے ملکی لوگوں {خواتین اور بچوں} کے قاتل فوجی رابرٹ بیلز کی ذہنی حالت کی تحقیق کی جائے۔یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ امریکی فوجیوں کی ذہنی حالت کی تحقیق جنگ میں بھیجنے سے پہلے نہیں کی جاتی مگر جرائم کے ارتکاب کے بعد کوشش کی جاتی ہے کہ جرائم پیشہ فوجیوں کی ذہنی حالت ٹھیک نہ بتا کر ان کو بری کیا جائے۔

امریکی تعمیر نو:

امریکی غاصب ایک طرف تو اپنے طویل قیام کا خواب دیکھتے ہیں دوسری طرف افغانستان کی نام نہاد تعمیر نو کے لیے ان کے خصوصی انوسٹی گیشن افیسر جان سوپکو نے 10 جنوری کو اعلان کیا کہ امریکا نے کچھ ایسی تعمیراتی کمپنیاں غائب کر دی ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ افغانستان میں محفوظ تھیں۔ جان سوپکو نے کہا کہ امریکا افغانستان کی تعمیر نو کے لیے روزانہ تقریبا 28 ملین ڈالر خرچ کر رہا ہے۔ ایسا پہلی بار ہوا ہے کہ تعمیر نو کی رقم اور منصوبے افغانستان میں غائب ہو رہے ہیں۔ اس سلسلے میں اب تک داخلی اور خارجی مجرموں کی پہچان نہیں ہو سکی ہے اور اس بارے میں اب تک کوئی فیصلہ سامنے نہیں آیا۔

30 جنوری بروز بدھ مذکورہ انوسٹی گیشن افیسر نے اعلان کیا کہ قندوز ضلع امام صاحب میں ایک ایسی بڑی عمارت دریافت ہوئی ہے جو پولیس کی رہائش کے لیے بنائی گئی تھی مگر اب اس پر علاقائی کمانڈروں کا قبضہ ہے جس میں وہ خود یا ان کے جانور رہتے ہیں۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ اسی شخص نے گذشتہ سال صوبہ ننگرہار میں پولیس کی کچھ چوکیاں دیکھیں جنہیں استعمال سے قبل ہی گرادیا گیا تھا۔ یہ سب افغانستان کی تعمیر نو کے نمونے ہیں۔

آقا اور غلام کے درمیان اختلافات:

15 جنوری بروز بدھ ذرائع ابلاغ نے اطلاع دی کہ خارجی فوجیوں اور کٹھ پتلی انتظامیہ کے درمیان شدید اختلافات پیدا ہو گئے ہیں جس کے اربکی ہیں۔ امریکا اس فکر میں ہے کہ مزید اربکی پالے، ان کی تربیت کرے اور مظلوم افغان عوام پر مزید مظالم ڈھائے۔ جبکہ کرزئی انتظامیہ اس کی کثرت سے خوفزدہ ہے اس لیے اس کی مخالفت کر رہا ہے۔ یاد رہے اربکی وہ پولیس یا علاقائی لشکر ہیں جو جارحیت پسند فوج کے سربراہ جان ایلن کی اسٹریٹجی کا بڑا حصہ ہیں۔ یہ لشکر اور پولیس براہ راست امریکی فوج کی کمان میں لڑتے ہیں۔ ان کو رقم، اسلحہ اور مراعات براہ راست امریکی جنرلز سے ملتے ہیں۔ یہ امریکی فوج کی طرح مراعات کے مستحق سمجھے جاتے ہیں۔ کرزئی کی سول انتظامیہ، نیشنل آرمی یا پولیس کے کسی محکمے کے ماتحت نہیں ہوتے۔ یہ پولیس اب آقا اور غلام دونوں کے سردردی کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ ملک کے کونے کونے میں یہ پولیس موجود ہے جو طرح طرح کے مظالم ڈھا رہے ہیں۔ ان کے یہی مظالم خارجی فوجیوں اور داخلی غلاموں کے خلاف عوام کے سخت نفرت اور شدید ردعمل کا باعث ہیں۔

الفاروق آپریشن:

الفاروق آپریشن گذشتہ ایک سال سے ملک کے کونے کونے میں انتہائی کامیابی سے جاری ہے۔ یہاں ذیل میں گذشتہ مہینے میں حاصل ہونے والی کامیابیوں کا مختصر تذکرہ کریں گے۔

5 جنوری بروز ہفتہ امارت اسلامیہ کے مجاہدین نے صوبہ قندھار ضلع سپین بولدک میں ضلعی شوری کی عمارت پر حملہ کر دیا اس حملے میں شوری کے رئیس سمیت 11 افراد ہلاک اور 19 زخمی ہو گئے۔

14 جنوری بروز بدھ کچھ استشہادی {فدائی} مجاہدین نے کابل کے مرکزی چوک پر کابل حکومت کے سیکیورٹی ادارے کی عمارت پر حملہ کیا اور دشمن کو بھاری نقصانات پہنچائے۔ دشمن نے حملے کی شدت اور دوسرے حملوں سے بڑھ کر خطرناک ہونے کا اعتراف کیا۔ ان حملوں میں استعمال ہونے والے مواد اور قوت کے بارے میں اندیشہ ظاہر کیا۔

21 جنوری بروز پیر امارت اسلامیہ کے مجاہدین نے کابل میں ٹریفک پولیس کی عمارت کو استعمال کرتے ایمرجنسی پولیس، پولیس اکیڈمی کے افسروں، ان کے غیر ملکی انسٹرکٹرز اور مشیروں سمیت 24 افراد کو ہلاک اور 13 کو زخمی کر دیا۔ ان کے جانی نقصانات کے علاوہ ان اداروں کی عمارتیں اور وہاں کھڑی گاڑیاں اور دیگر سامان مکمل طور پر تباہ ہو گیا ہے۔

25 جنوری بروز جمعہ امارت اسلامیہ کے مجاہدین نے صوبہ کاپیسا ضلع تگاب میں فدائی حملوں میں خارجی فوجیوں کو شدید نقصان پہنچایا۔ کہا گیا کہ اس حملے میں کم از کم دس فوجی ہلاک اور کئی فوجی زخمی ہو گئے ہیں۔ اس آپریشن سے دو دن قبل خارجی اور داخلی فوجیوں نے علاقے سے مجاہدین کا صفایا کرنے کے لیے کارروائی کا آغاز کیا جس میں اس ضلع سے تعلق رکھنے والی صوبائی شوری کی خاتون رکن کو قتل کر دیا۔ مگر مجاہدین کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔

اپنی ناتوانی کا اعتراف :

کابل انتظامیہ اور خارجی قوتوں نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ ان کے ہاتھوں تربیت پانے والی فوج "نیشنل آرمی" اب اس قابل ہے کہ سیکیورٹی اور امن وامان کی ذمہ داریاں سنبھالے۔ مگر جان ایلن نے 30 جنوری کو ایک ضمنی اعتراف میں کہا کہ نیشنل آرمی کا اصل امتحان آئندہ سال کے موسم بہار سے شروع ہو گا۔ لگتا ہے جان ایلن کو ہر سال کے موسم بہار کی تلخیاں یاد رہتی ہیں۔ اس لیے اسے اندازہ ہے کہ ان کے ہاتھوں تربیت پانے والے افغان فوجی بہار آفرین آپریشنوں کا مقابلہ نہیں کر پائیں گے۔

امریک قابض فوج کے سربراہ کے اس اعلان کے بعد مزدور آرمی کی ناتوانی اور بے بسی کا اعتراف کرتے ہوئے صوبہ اروزگان ضلع ہراوود کے کمشنر نے صحافیوں کو بتایا کہ سیکیورٹی ادارے اس ضلع میں امن وامان کے قیام میں ناکام ثابت ہو رہے ہیں۔ یہ لوگ کبھی بھی مجاہدین کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

ماخذ: خبری ویب سائٹ، امارت اسلامیہ جلب وجذب کمیشن کی ماہانہ رپورٹ، الامارہ ویب سائٹ پر ملکی نقصانات کی ماہانہ رپورٹ اور خالد غزنوی کی اہم واقعات کی ہفتہ وار رپورٹ۔

◆◆◆

تحریر: بشیر

اگر ایک فوجی بھی موجود رہا

حال ہی میں امریکی صدر اوباما کے حکم پر کٹھ پتلی افغان صدر حامد کرزئی کے دورہ امریکہ کے موقع پر امارت اسلامیہ افغانستان کی اعلی قیادت نے ایک اعلامیہ دھمکی دی کہ اگر کرزئی حکومت نے امریکہ کے ساتھ افغانستان میں ایک امریکی فوجی موجود رہنے کا معاہدہ کیا تو اس کے خلاف بھی جہاد جاری رہے گا اس طرح معاہدوں کا افغان عوام کے لئے قانونی اور حقوق کے لحاظ سے کوئی اہمیت نہیں، یہ کرزئی اور امریکہ کے درمیان ذاتی معاہدہ تصور کیا جائے گا جو افغان عوام کے لئے کبھی بھی قابل قبول نہیں، ماضی کی طرح اس کے خلاف مقدس جہاد جاری رہے گا، اعلامیہ میں واضح کیا گیا ہے کہ امریکی سامراج کا چاہے قلیل مدت کے لئے افغانستان میں محدود فوج کو چھوڑنے کا ارادہ ہو یا طویل مدت کے لئے مگر اس کے خلاف امارت اسلامیہ کا موقف وہی ہے کہ جہادی کارروائیاں جاری رہیں گی، اور مستقبل میں تمام تر نقصانات کی ذمہ داری بھی افغان حکومت اور امریکہ پر عائد ہوگی۔

امارت اسلامیہ کی یہ دھمکی آمیز خبر اس وقت شائع کی گئی جب میڈیا اس معاہدے پر مختلف لوگوں سے ان کی رائے جاننے کی کوششوں میں مصروف تھا، کئی مغرب پسند افغان رہنماؤں کی یہ رائے تھی کہ حامد کرزئی افغانستان میں 2014 کے بعد امریکی فوجیوں کی موجودگی سے متعلق اپنے آقا کا حکم بھی ضرور ساتھ لائیں گے، مبصرین کے مطابق کابل حکومت کے یہ مغرب نواز حکام اس وقت کرزئی کے دورے سے مایوس ہوئے جب امارت اسلامیہ کی جانب سے دھمکی دینے کے بعد افغانستان میں موجود امریکی فوجیوں کے حوصلے پست ہونے کے خوف سے وائٹ ہاوس کا ترجمان اس بات کہنے پر مجبور ہوا کہ اوباما انتظامیہ افغانستان سے تمام فوجیوں کے انخلاء پر غور کر رہی ہے، اس سے پہلے امریکہ شدت کے ساتھ کہہ رہا تھا کہ 2014 کے بعد بھی امریکی فوجیوں کی ایک تعداد افغانستان میں موجود رہے گی، گزشتہ سال اوباما غیر اعلانیہ طور پر کابل کے دورے پر آیا جس کا مقصد اپنے شکست خوردہ فوجیوں کو حوصلہ دینے کے علاوہ کرزئی کے ساتھ افغانستان میں مستقل اڈوں کے قیام کے معاہدے پر دستخط کرنا تھا اور دنیا کو ایک خاموش پیغام دینا مقصد تھا کہ امریکہ کا افغانستان سے جلدی نکلنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ مگر اوباما اس وقت مایوس ہوا جب انہوں نے باگرام میں اپنے تھکے ہوئے فوجی اہلکاروں اور حوصلہ ہارے ہوئے فوجی حکام سے ملاقات کی اور انہوں نے اس [اوباما] پر واضح کیا کہ 2014 کے بعد ہم ایک دن کے لئے بھی افغانستان میں رہنے کو تیار نہیں، اسی وجہ سے اوباما نے خاموشی اختیار کی اور پریس کانفرنس کے دوران اعتراف کیا کہ افغانستان میں ان کی فوج تھک گئی ہے اور وہ یہاں مقررہ وقت کے بعد مزید ایک دن کے لئے بھی تیار نہیں۔

11 جنوری کو واشنگٹن میں اوباما نے حامد کرزئی کے ساتھ مشترکہ پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے پہلی دفعہ اعتراف کیا کہ وہ طالبان کے ساتھ مذاکرات کرنا چاہتے ہیں اور اسی مقصد کے لے طالبان نے قطر میں دفتر کا قیام بھی عمل میں لایا ہے۔

قطر میں طالبان کے دفتر کا ابتدائی دور ہے، تجزیہ نگاروں کے مطابق کچھ مدت سے امریکہ امارت اسلامیہ کے ساتھ سامنے مذاکرات کے حقائق مان رہے ہیں، اور امارت اسلامیہ نے بھی امریکہ اور دوسروں کے ساتھ افہام اور تفہیم کے لئے قطر کے دارالحکومت دوحا میں دفتر کے قیام کی تصدیق کی ہے، مگر مذاکرات اس وقت تعطل کا شکار ہوئے جب امریکہ نے معاہدوں کی خلاف ورزی کی اور غیر سنجیدہ رویہ اختیار کیا تو امارت اسلامیہ نے مذاکرات کو معطل کر کے توقف اختیار کیا۔ 11 جنوری کو اوباما نے یہ بھی کہا کہ امریکہ چاہتا ہے کہ رواں سال تمام سیکیورٹی اختیارات کو کابل انتظامیہ کے حوالہ کر کے سربراہی بھی ان ہی کو سپرد کریں، مگر 2014 کے بعد امریکی فوجیوں کی ایک تعداد اس شرط پر افغانستان میں موجود رہے گی کہ وہ تمام افغانی قوانین سے مستثنی ہوں گے اس کے علاوہ وہ اپنے فوجیوں کو افغانستان میں رہنے کے لئے تیار نہیں ہیں، یہ ہر کوئی جانتا ہے کہ امریکی فوجیوں کو استثناء دینے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں افغان عوام کو قتل کرنے، تشدد کا نشانہ بنانے اور ان کی توہین کرنے پر رعایت دی جائیگی اور وہ کسی قانون کے پابند نہیں ہونگے اور نہ ہی ان کے خلاف مقدمہ درج ہوگا، امریکہ دنیا کے دوسرے ملکوں اور قوموں کو غلام کی نظر سے دیکھ رہا ہے، وہ دوسرے ملکوں کے قوانین کا احترام کرنا نہیں جانتا بلکہ وہ خود اخلاقی طور پر دیوالیہ ہے۔ مبصرین کے مطابق اگر امریکہ کا یہ مکروہ ارادہ تسلیم کیا گیا تو آزاد اور درخشان افغانستان کا مستقبل سوالیہ نشان ہوگا اسی لئے امارت اسلامیہ کا یہ موقف قابل ستائش اور آفرین ہے کہ اگر ایک امریکی اہلکار بھی افغانستان میں موجود رہے گا تو اس کے خلاف جہاد جاری رہے گا۔

روس کے خلاف جنگ، اپنی یا غیروں کی؟

قاری حبیب

آج سلواغی { پشتو سال کا ایک مہینہ } کا 24 واں دن ہے۔ آج سے 22 سال قبل جارح روسی فوج کا آخری فوجی جنرل بوریس گروموف حیرتان کی سرحد سے پار ہوا تھا اور اس طرح افغانستان میں ان کی فوجی مداخلت کا اختتام ہو گیا۔

مذہب، ملک اور زمینی حریم کی حفاظت کے لیے افغان عوام نے وہ قربانیاں دیں جس کی مثال ماضی میں نہیں ملتی۔ قابل اعتماد اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ اس جنگ میں افغانوں نے دو ملین شہداء کی قربانیاں دیں۔

سب جانتے ہیں کہ زندگی بہت میٹھی نعمت ہے۔ داناؤں کا کہنا ہے کہ زندگی جتنی بھی تلخ ہو موت سے میٹھی ہوتی ہے۔ انسان جب عاقل اور بالغ ہو تو کبھی بھی اس بات پر تیار نہیں ہوتا کہ زندگی جیسی عظیم نعمت کسی لایعنی مقصد میں ضائع کر دے۔ اسلام اور انسانی عقل نہایت محدود مواقع اور استثنائی حالات میں انسان کو یہ اجازت دیتی ہے کہ وہ اپنی جان کی قربانی دے کر اپنا ہدف حاصل کرے۔ اسلام، اسلامی شعائر اور اسلامی حریم کا دفاع انہیں اہداف میں سے ہیں جن کی قیمت انسان سے زیادہ ہے۔ مذہبی، انسانی اور فطری طور پر اس لائق ہیں کہ ان کے لیے سر کی قربانی دی جائے۔

افغان اتنے پاگل تھے اور نہ اس حد تک زندگی ان پر بوجھ بن گئی تھی کہ کسی لایعنی مقصد کے لیے دو ملین بھائیوں اور بیٹوں کی قربانی دے دی جائے۔ کمیونسٹ یلغار کے بعد افغانوں کو بڑے اندرونی و بیرونی اذیت کا سامنا تھا۔ افغانوں کے وطن پر سیلاب بہہ نکلا تھا، افغانوں کو اپنے سب سے بڑے سرمائے اسلامی عقیدے کے خاتمے کا خطرہ درپیش تھا۔ افغانستان کا شمالی طاقتور پڑوسی یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ طوعاً و کرہاً افغان بچے، بڑے، مرد اور عورت کے ذہن کو مارکس کے دہری عقیدے کا انجکشن لگایا جائے۔

نماز روزہ، حج، زکوۃ، مسواک، اذان، مسجد، قرآن، اللہ، رسول، مذہب اور دیگر تمام عربی اصطلاحات کو عقیدے اور عمل سے نکال دیا جائے۔ افغانوں کو روسی تعاون کے بدلے اپنا ڈیڑھ ہزار سالہ قبلہ لینن گراڈ کی جانب موڑ لینا چاہیے۔ کیوں کہ نئی مارکسسٹ معاشرے کا یہی تقاضہ ہے۔ بریگ نوف نے کہا "کمیونزم کے پڑوسیوں کو صرف کمیونسٹ ہی ہونا چاہیے اور بس"۔

یہی واقعہ اور یہی یک طرفہ کفری یلغار تھا جس نے افغانوں کو دیوار سے لگا دیا۔ کسی طرح کا استثناء کوئی راستہ اور کوئی مصلحت افغان عوام کے لیے نہ چھوڑی گئی۔ بریگ نوف نے حفیظ اللہ امین کی زبانی اعلان کیا کہ دو کروڑ مخالفین کو قتل کر دینا چاہیے تاکہ 61 ہزار افراد پر مشتمل معاشرے کے لیے راہ ہموار ہو جائے۔ افغان عوام مجبور تھے کہ یا تو عقیدے کی موت قبول کریں اور یا جسمانی موت۔ چونکہ جسمانی موت آسان ہے اور اس کا انجام بھی عقیدے کی موت کے بہ نسبت صرف ظاہری اور وقتی ہے اس لیے ڈیڑھ ملین افغانوں نے جسمانی موت کو گلے لگا لیا تاکہ اپنی قوم کو عقیدے کی موت سے بچا سکیں۔

قضیے کے پوشیدہ حقائق:

قضیے سے مراد افغانستان پر روسی یلغار اور اس کے مقابلے میں افغانوں کی دینی، طبعی، انسانی اور اخلاقی رد عمل جہاد ہے۔ اصل قضیہ اور مسئلہ یہی تھا کہ افغانوں کو ایسے صورتحال کا سامنا تھا کہ جس میں جانوں کی بازی ہارنا یقینی تھا اور افغانوں نے بھی اپنی مذہبی اور انسانی ذمہ داری ادا کرنے سے دریغ نہیں کیا۔ لیکن دیگر مسائل کی طرح اس مسئلے کا بھی اپنا ایک بیک گراونڈ ہے۔ اس لیے کہ دونوں فریقین سوویت یونین اور افغان عوام دیگر مشہود، ملموس اور موجود حقائق کی طرح اپنے اپنے جہات ستہ، متعلقات و مضافات اور حدود رکھتے تھے۔

سوویت یونین اپنے دور کا بڑا طاقت ور عالمی قطب تھا۔ جس کے مقابلے میں ناٹو کا اتحاد روبرو دشمن کی حیثیت سے کھڑا تھا۔ ناٹو کے علاوہ دیگر ممالک اور سیٹو اور سینٹو کے متعدد ممالک وہ ممالک تھے جنہیں ہر وقت سوویت یونین کے واسطہ و بالواسطہ مداخلت اور یلغار کا سامنا تھا۔ جنوب میں سرخ فوج کی لشکر کشی اور چین کے خلاف بریگنوف کی خیالی ڈاکٹرائن سے اس مسئلے کا بیک گراونڈ اور بھی حساس ہو گیا تھا۔ جنوبی ایشائی ممالک وہ ممالک تھے جن کا سوویت یونین سے براہ راست سامنا تھا۔ عرب ممالک کو بھی احساس تھا کہ اصل ہدف وہی ہیں۔ وہ تمام ممالک جن کو سوویت یونین کے خطرے کا سامنا تھا ان میں اکثر تو وہ ممالک تھے جو مغرب کے سٹریٹجک پارٹنر، علاقائی اتحادی اور سابقہ کالونیاں رہے تھے۔ اس لیے جنوبی خطے میں سوویت یونین کی لشکر کشی کو گویا مغرب پر لشکر کشی سمجھا گیا۔

افغان مجاہد نے سوکھے پیٹ اور پرانے ہتھیاروں سے سوویت یونین کے خلاف جہاد کا آغاز کر دیا تھا۔ بوتل گرنیڈ سے چالیسویں لشکر کا ٹینک اڑا رہا تھا۔ اگرچہ یہ سب اپنے ہدف کے حصول کے لیے تھا۔ اپنے عقیدے اور ایمان نے اسے اس جنگ کے لیے اٹھایا تھا۔ اپنے خطرات اور اپنی دفاع نے اسے اس قربانی پر مجبور کیا تھا اور اس کا ہدف صرف سوویت یونین سے اپنے دین کا دفاع کرنا تھا۔ اپنے عوام اور سرزمین کا دفاع کرنا تھا۔ اپنی جہادی فطرت، اپنے اہداف اور مسائل کے باعث اس جنگ کو وہ اپنی جنگ سمجھتا تھا مگر اس مسئلے کا اپنا وسیع بیک گراونڈ تھا، اس لیے جہاد کا ثانوی، خودکار اور بلا قصد حاصل ہونے والا نتیجہ بھی انتہائی وسیع تھا۔

اس لیے افغانیوں کے ہاتھوں سوویت یونین کا قتل نہ صرف اپنے دشمن کا خاتمہ تھا بلکہ امریکا، ناٹو، سعودی عرب، پاکستان، چین، ایران، مصر اور دیگر بہت سے ممالک کا دشمن بھی ختم ہو گیا تھا۔ اسی وقت جب افغان اپنے عقیدے مذہب اور وطن کی دفاع کی جنگ میں خون میں لت پت ہو رہے تھے ایک سرخ ٹوپی والے فلاسفر نے جو خود کو افغان کہتا تھا مگر اس کا پرچم روسیوں کا تھا ایک طنزیہ قہقہے کے ساتھ ایک افغان مجاہد کے کان میں کہا جنگ چھوڑ دو کیوں کہ اس جنگ کا فائدہ امریکا، اسرائیل، برطانیہ، پاکستان، سعودی عرب سب کو ہوگا۔ یہ تمہاری جنگ نہیں پرایوں کی ہے۔

افغان مجاہد گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اس نے سوچا واقعی عالم گیر سوویت یونین کے حدود اور روابط بھی عالم گیر ہیں۔ اس کے حریفوں اور دشمنوں سے دنیا بھری ہوئی ہے۔ اگر سوویت یونین پر ضرب لگتی ہے تو اس کا فائدہ خطے اور عالمی سطح پر اس کے دشمنوں کو خود بخود ہوگا۔ دشمنوں کے اس گروپ امریکا اور اسرائیل بھی شامل ہیں۔ تو طریقہ کار کیا ہونا چاہیے۔ کیا سوویت یونین کو میں اس طریقے سے توڑ سکتا ہوں کہ اس کا فائدہ امریکا کو نہ ہو یا اس کی شکست سے امریکہ کو فائدہ نہ ہو۔ کیا یہ ممکن ہے کہ میں سوویت یونین سے اس طرح لڑوں اور ایسا نقصان پہنچاؤں کہ دیگر جہتوں کو کوئی فائدہ نہ ہو اور نہ ان کو اس کی شکست سے خوشی ہو۔ گہری سوچ کے بعد افغان مجاہد اس نتیجے پر پہنچا کہ نہیں، ایسا ممکن ہی نہیں، کیوں کہ سوویت یونین کی شکست سے دیگر جہات کو فائدہ ایک خود بخود حاصل ہونے والا نتیجہ ہے۔ یہ بلا ارادہ ہونے والا عمل ہے جس کا روکنا ہمارے لیے ممکن نہیں۔ اب یا تو افغانوں کو جنگ کے اس ثانوی نتیجے کو روکنے کے لیے جنگ چھوڑ کر پیٹھ پھیرنی ہوگی اور یا اپنے سامنے کھڑے نقد اور فی الحال موجود خطرے {سوویت یونین} سے نمٹنے کے لیے ثانوی نتیجے کو بھی برداشت کرنا ہوگا۔

جب جنگ اپنی ہے تو۔۔۔۔

افغان مجاہد جس نے اپنے عقیدے کی حفاظت، وطن کی دفاع اور اپنی نسل کی حفاظت کے لیے جنگ کا آغاز کیا تھا، گہری سوچ کے بعد ایک بار پھر یہ سمجھ گیا کہ یہ جنگ اس کی اپنی جنگ ہے، وہ اپنا فریضہ اور اپنی ذمہ داری نبھا رہا ہے، مگر مسئلے کے وسیع بیک گراونڈ کی وجہ سے جنگ کے ثمرات دوسروں کو بھی پہنچ رہے ہیں اس کا تعلق میری ذات سے نہیں۔ کیوں کہ یہ جنگ کا ثانوی اور بلا ارادہ حاصل ہونے والا نتیجہ ہے جو اس کے اختیار میں نہیں۔

افغانوں نے اس لیے مسلسل جنگ شروع کر دی، بار بار کلہاڑی لے کر ٹینک پر چڑھ دوڑے، درانتی لے کر روسیوں کی گاڑیوں پر بل پڑتے، روسی بکتر بند پر اس نے بار بار چرہ دار رائفل آزمائی، پھر اس کے آباء کا ترکے میں ملا ہوا اسلحہ بھی ختم ہو گیا۔ افغانوں کو جنگ کے گرم محاذوں میں نہتے ہو کر لڑنا پڑا۔ کاش ایسا ہوتا کہ دشمن کو صرف خون بہا کر اور سر کٹوا کر شکست دی جا سکتی، کاش دشمن کو خون کے سیلاب میں بہا کر مٹانا ممکن ہوتا واللہ سرفروش افغان اس سے بھی دریغ نہ کرتے جیسا کہ اس سے قبل بھی دریغ نہیں کیا۔ مگر افغان بھی مادی دنیا کا حصہ ہیں۔ محسوس وملموس انسان ہونے کے ناطے انہیں بھی ہتھیاروں کی ضرورت تھی۔ افغانوں نے سنا تھا کہ الدنیا بالوسائل لا بالفضائل، اور عقل کہتی ہے جنگ وسائل اور ہتھیاروں سے لڑی جاتی ہے۔

افغانوں نے اپنے ہدف کے حصول اور جنگ میں کامیابی کے لیے اپنے مذہبی مآخذ کی جانب رجوع کیا، حنفی افغانوں نے اپنی معتبر کتاب السیر الکبیر تیسری جلد صفحہ 184 میں دیکھا کہ اگر جہاد میں اسلحے کی ضرورت پڑے تو مسلمان ہر کسی سے اپنے مقصد کے لیے اسلحہ حاصل کر سکتے ہیں اور حتی کہ ایک کافر کے خلاف دوسرے کافر سے اسلحہ یا مدد حاصل کر کے مقابل دشمن کو شکست دیں۔

(ولا بأس بأن يستعين المسلمون بأهل الشرك على أهل الشرك إذا كان حكم الإسلام هو الظاهر عليهم، لأن رسول الله صلى الله عليه وسلم استعان بيهود بني قينقاع على بني قريظه وخرج صفوان مع النبي صلى الله عليه وسلم حتى شهد حنينا والطائف وهو مشرك، فعرفنا أنه لا بأس بالاستعانة بهم، وما ذلك إلا نظير الاستعانة بالكلاب على المشركين وإلى ذلك أشار رسول الله بقوله إن الله ليؤيد هذا الدين بأقوام لا خلاق لهم في الآخرة (طبرانی)

افغان مجاہد نے اسی لیے اپنے اہداف کے حصول، اپنی جنگ جیتنے اور اپنے ملک کی خود مختاری کے لیے کافر اور مسلمان دونوں سے اسلحہ حاصل کیا۔ ظاہر سی بات ہے کہ اسلحہ خود جنگ نہیں لڑتا جب تک اسلحہ چلانے والا نہ ہو۔ چلانے والے کے بغیر اسلحہ ٹھنڈا لوہا ہے۔ پھر دوسری بات یہ کہ جنگ کے لیے صرف اسلحہ چلانے کا طریقہ جاننا بھی کافی نہیں اگر ایسا ہوتا تو آج کی طرح سوویت یونین کے دور میں دنیا اسلحہ چلانے والے لوگوں سے بھری ہوئی تھی مگر ان میں ایمان کی وہ رمق، غیرت کی وہ چنگاری اور خودداری کی وہ تپش نہیں تھی جو اپنے حق کے حصول کے لیے جنگ پر آمادہ کرے۔ یہ صرف افغان ہی تھے جنہیں یہ محرک قوت حاصل تھی۔ اس لیے افغانوں نے اسلحہ اٹھایا اور سوویت کافر کو

توڑ پھوڑ کے رکھ دیا۔ اسی لیے تاریخ میں سوویت کے خلاف جنگ جیتنے کا سہرا صرف اور صرف افغانی غیرت کے نام رقم ہے۔

ایک الزام اور اس کا جواب:

افغانستان پر روسی جارحیت کے دن جتنے بھی سخت تھے، جتنے بھی ناموافق اور آزمائش کے تھے مگر حالیہ امریکی سامراج کے یلغار کے مقابلے میں ہم امتحانی نقطہ نگاہ سے اسے درمیانی مدت کا چھوٹا امتحان {مڈٹرم اگزام} قرار دیں گے۔ کیونکہ امریکی جارحیت سالانہ امتحان {لاسٹ اگزام} کی طرح اس کے مقابلے میں انتہائی سخت ہے۔ حالیہ امریکی جارحیت نے مستقبل کے تعین، سچ اور جھوٹ کے فرق، مسلمان اور کافر کے درمیان جدائی اور اصلی اور نقلی کے درمیان خط تقسیم کھینچ دی۔

کچھ مجاہد نما لوگ ایسے تھے جو روسی جارحیت کے دور میں دیگر خطوں کی جانب بھاگ گئے تھے۔ تلوار چلانے والے افغان عوام تھے اور مزاحمت اور بغاوت کے نعرے بازی یہ لوگ کررہے تھے۔ انہوں نے بھی خود کو مجاہد ظاہر کرنے کے لیے لمبی داڑھیاں رکھیں، پکول پہنے اور پتلون کی جگہ شلوار کا استعمال شروع کیا۔ ہر وقت مذہب، استقلال، غیرت، شجاعت، تاریخ، وزیر اکبر خان، ایوب خان، محمد جان خان اور مسجدی خان کا تذکرہ کرنے لگے۔ ان لوگوں نے نسبتا آسان امتحان میں جعل سازی اور نقل سے کام لے کر اپنا سکہ خوب چلایا۔ نام بھی کمایا اور چہرے پر غبار بھی نہ پڑنے دیا۔ جہاد میں افغان عوام تو پوٹی کھوڑی بھی ہار بیٹھے اور یہ "مجاہدان ملت" تھے کہ کوٹھیوں، گاڑیوں اور لشکروں کے مالک ہوگئے۔ انہوں نے سوچا کہ معاملہ یہیں پر ختم ہوگیا۔ اب مزید اللہ تعالی کے حساب کتاب سے بری ہیں۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ اللہ تعالی انہیں ایسے امتحان میں آزمائیں گے جس میں ان کی جعل اور منافقت ساری دنیا کے سامنے آشکارا ہوجائے گی۔ ان کی منافقت اور ریا کے چوغے اتر جائیں گے۔

یہی وجہ تھی کہ افغانستان پر امریکی جارحیت پسند بالکل اسی طرح حملہ آور ہوئے جس طرح سوویت یونین آیا تھا۔ روس بھی ایک لاکھ سے زائد فوجی یہاں لایا تھا امریکا اور اس کے اتحادی بھی اتنی ہی فوج یہاں لائے۔ لیکن چونکہ حالیہ جنگ میں معاملہ بالکل ہی ناقابل برداشت تھا، ڈالر، روپوں اور ریالوں کی چمک دمک بھی کچھ نہ تھی اس لیے یہ مجاہد نما لوگ جنہوں نے جہاد کیا ہی انہیں دنیاوی چیزوں کے لیے تھا وہ سالانہ امتحان میں ناکام ہوگئے۔

انہوں نے اپنے عوام کو ایک بار پھر دھوکا دینے اور اپنا دامن اجلا ظاہر کرنے کے لیے عقل وادراک کا دعوی کیا۔ ان لوگوں نے کہا ہم نے پہلے بھی روس سے جنگ لڑ کے غلطی کی تھی۔ کیوں کہ وہ جنگ ہماری نہیں پرایوں کی تھی اسی طرح امریکیوں سے بھی ہم اس لیے نہیں لڑتے کہ اس جنگ کا فائدہ خطے کے دیگر ممالک کو ہوگا۔

جہاد کے منکرین کے درمیان اب یہ بات قریبا متفقہ نعرہ بن چکا ہے کہ افغانستان میں امریکا کے خلاف جاری عوام کی جنگ افغانوں کی نہیں غیروں کی جنگ ہے۔ افغان ویسے ہی اس جنگ میں گھیر لیے گئے ہیں۔ اسی لیے وہ روس کے خلاف جہاد کو بھی روس اور امریکا کے درمیان جنگ قرار دیتے ہیں جس میں افغان عوام ویسے ہی پامال ہوگئے۔

یہ دلیل دینے والے اگر مباحثے میں گھیر لیے جائیں، ان سے پوچھا جائے کہ کس طرح افغانوں کا سابقہ یا موجودہ جہاد غیروں کی جنگ تھی؟ تو ان کی دلیل صرف یہ ہے کہ اس جنگ کا ثانوی فائدہ غیروں کو بھی پہنچتا ہے۔ یعنی اگر روس سے لڑرہے تھے تو اس کا فائدہ امریکا کو ہورہا تھا اور اگر امریکا سے لڑرہے ہیں تو اس کا فائدہ روس، چین اور پاکستان کو ہورہا ہے۔ ان نام نہاد مفکرین کی یہی پہلی اور آخری دلیل ہے۔ اس بڑھ کر ان کے پاس اپنے اس سوچ کی کوئی توجیہ نہیں۔

اب آیئے عقل اور نقل کے ترازو میں اس دلیل کو تولتے ہیں کہ اس دلیل میں کتنا وزن ہے۔ کیا یہی دلیل ان کے موقف کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔

جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں کہ دنیا میں کسی بھی مقابل گروپ اور دشمن کے خلاف جنگ کو صرف اس لیے ترک نہیں کیا جاتا کہ اس جنگ کے بعد حاصل ہونے والے مقصودی نتائج کے ساتھ کچھ ثانوی نتائج بھی برآمد ہوں گے۔ کیوں کہ جنگ میں دونوں فریقین کے دوست اور دشمن بھی ہوتے ہیں۔ اس مسئلے کے علاوہ بھی فریقین کے تعلقات اور رابطے ہوتے ہیں۔

بیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ ہی انگریز استعماریت کے زوال کا آغاز ہوگیا۔ جرمنی عروج کی جانب گامزن تھا۔ اس دور میں برطانیہ کا سب سے بڑا حریف جرمن استعمار سمجھا جاتا تھا۔ اسی صدی کے دوسرے عشرے میں افغانوں نے انگریز کے خلاف جہاد کا آغاز کیا۔ تلوار کی زور سے نہ صرف اپنی خود مختاری حاصل کی بلکہ انگریز کے تمام کروفر کو صفر میں ضرب دے کر ختم کردیا۔ برصغیر ہند اور دیگر ممالک کو بھی خود مختاری کا پیغام دیا۔ یہ جنگ جرمنی کے خلاف اٹھتے ہوئے برطانوی استعمار پر ہلاکت خیز حملہ تھا جس نے برطانوی سامراج کے اعصاب ماؤف کردیے۔ دوسری طرف جرمنی کے لیے یہ اچھی خبر تھی۔ کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ انگریزوں کے خلاف افغانوں کی جنگ دراصل جرمنی اور انگریزوں کی جنگ تھی اور افغان ویسے ہی درمیان میں کود پڑے تھے۔

حضور اکرم ﷺ کے دور مبارک میں مکہ اور بعد میں مدینہ سے مسلمانوں کا مقابلہ مکہ اور دیگر عرب قبائل کے مشرکین سے تھا۔ خاص اسی دور میں فارس اور رومی امپراطور آپس میں لڑرہے تھے۔ ان کے درمیان متعین سرحدات آئے روز بدلتے رہتے۔ اس دور میں مکہ کے مشرکین اور فارسیوں کے درمیان ہمدردیاں اور اچھے تعلقات تھے ان کا مابہ الاشتراک مشرکانہ عقیدہ تھا۔ ان دونوں فریقین کے پاس آسمانی دین یا عقیدہ نہیں تھا دونوں مشرک تھے۔ اس کے برخلاف نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام تھے جنہیں مشرکین کے بہ نسبت رومیوں سے ہمدردی تھی کیوں کہ ان کا ایمان بھی آسمانی کتابوں پر تھا وہ عیسائی تھے۔ مسلمانوں کی طرح عیسائیوں کے پاس بھی آسمانی دین اور آسمانی عقیدہ تھا۔ مگر عین اسی وقت مسلمان عیسائیوں کو اپنا دشمن بھی سمجھتے تھے۔

کیوں کہ اسلام کی آمد سے عیسائیت منسوخ ہوگئی تھی۔ تو ایسے حالات میں مسلمانوں نے فارس کے ہمدردوں یعنی مشرکین کو نقصان پہنچایا، یا بالفرض فارسیوں سے لڑے تو اس کا فائدہ ثانوی طور پر روم کو بھی پہنچ رہا تھا۔ کیوں کہ فارس کا اصلی دشمن رومی امپراطور تھا۔ مگر صحابہ کرام کبھی بھی اس وجہ سے فارس یا مشرکین کے خلاف جنگ سے دستبردار نہیں ہوئے کہ اس کا فائدہ روم کو ہورہا ہے۔ اگر جنگ کے ثانوی نتائج پر اعتبار کرکے جنگ سے دستبرداری اختیار کی جاتی تو مسلمانوں کو اس وقت مشرکین اور فارسیوں کے خلاف جنگ روک دینی چاہیے تھی۔ اس لیے کہ فارس کے ٹوٹنے سے روم کو بھی فائدہ ہورہا تھا اسکے دشمن کا بھی خاتمہ ہورہا تھا۔

مگر آج کل اگر مسلمان امریکیوں کے خلاف لڑتے ہیں تو کچھ اندھے مقلد کہتے ہیں کہ یہ جنگ نہیں ہونی چاہیے کیوں کہ اس کا فائدہ روس اور چین کو ہورہا ہے اس لیے یہ غیروں کی جنگ ہے۔ کیا مشرکین اور فارس کے خلاف صحابہ کرام کی جنگ بھی غیروں کی جنگ تھی۔ جس کا جزوی فائدہ روم کو بھی ہورہا تھا۔

1839ء کو جب انگریز فوج ہمارے ملک میں داخل ہوئی تو ان کا اصل مقصد زار روس کے خلاف میدان سجانا تھا۔ اس وقت برطانیہ کا اصل دشمن روس تھا جو ترکستان تک پہنچ گیا تھا مگر 1842 کو وزیر اکبر خان، میر مسجدی خان، نائب امین اللہ لوگری، عبداللہ خان اچکزئی اور دیگر نے فرنگی لشکر کو تباہ کرکے رکھ دیا۔ صرف ڈاکٹر برائیڈن کو نمونے کے لیے زندہ جلال آباد بھیج دیا۔ کیا ہمارے وہ قومی ہیرو اور تاریخی افغان سپوت زار روس کے کٹھ پتلی تھے۔ کیا یہ سب روسی مفادات کے لیے لڑرہے تھے اور روسی مفادات کے تحفظ کے لیے شمال میں انگریزوں کی فارورڈ پالیسی کے سامنے بند باندھ کر کھڑے ہوگئے تھے؟

اگر پرانے مجاہدین امریکا یا موجودہ مجاہدین روس اور پاکستان کے نوکر ہیں تو پھر لامحالہ وزیر اکبر خان، نائب امین اللہ اور عبداللہ خان اچکزئی بھی روسی اجیر تھے۔ کیوں کہ ان کے ہاتھوں انگریزوں کو ہونے والی شکست کا فائدہ روس کو پہنچ رہا تھا اور اس طرح وہ غیروں کی جنگ لڑرہے تھے۔

بیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ ہی انگریز استعماریت کے زوال کا آغاز ہوگیا۔ جرمنی عروج کی جانب گامزن تھا۔ اس دور میں برطانیہ کا سب سے بڑا حریف جرمن استعمار سمجھا جاتا تھا۔ اسی صدی کے دوسرے عشرے میں افغانوں نے انگریز کے خلاف جہاد کا آغاز کیا۔ تلوار کی زور سے نہ صرف اپنی خودمختاری حاصل کی بلکہ انگریز کے تمام کروفر کو صفر میں ضرب دے کر ختم کردیا۔ برصغیر ہند اور دیگر ممالک کو بھی خودمختاری کا پیغام دیا۔ یہ جنگ جرمنی کے خلاف اٹھتے ہوئے برطانوی استعمار پر ہلاکت خیز حملہ تھا جس نے برطانوی سامراج کے اعصاب ماؤف کردیے۔ دوسری طرف جرمنی کے لیے یہ اچھی خبر تھی۔ کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ انگریزوں کے خلاف افغانوں کی جنگ دراصل جرمنی اور انگریزوں کی جنگ تھی اور افغان ویسے ہی درمیان میں کود پڑے تھے۔

حاجی میرزا علی خان اپی فقیر نے بیسویں صدی کے چوتھے عشرے میں ایک نو مسلم ہندو خاتون کی تحفظ کے لیے انگریزوں کے خلاف جہاد کا آغاز کیا جو کئی سالوں تک جاری رہا اور اس جنگ میں انگریزوں کو شدید نقصان پہنچا۔ اسی دور میں دوسری جنگ عظیم شروع تھی اور جرمن ڈیکٹیٹر ہٹلر برطانیہ سے نبرد آزما تھا۔ فقیر اپی کی جنگ کا فائدہ غیر ارادی طور پر ہٹلر کی جنگ کو بھی ہورہا تھا کیوں کہ اس طرح انگریز دو محاذوں پر لڑرہا تھا۔ کیا اسی غیر ارادی نتائج کے باعث وزیرستان کے اس بہادر اور غیور مجاہد کو ہٹلر کا کٹھ پتلی قرار دینا جائز ہوجائیگا؟ نہیں کبھی بھی نہیں۔ اگر ان کو نہیں کہہ سکتے تو روس اور امریکا کے خلاف لڑنے والے مجاہد کو کیوں جنگجو یا غیروں کا مزدور کہیں۔؟ کوئی عقل اور کوئی منطق یہ بات تسلیم نہیں کرتی۔

اوپر دی گئی وضاحت سے معلوم ہوگیا کہ حالیہ مجاہدین پر چین، پاکستان یا ایران کے کٹھ پتلیوں کا الزام لگانے والے درحقیقت ان تمام جہادوں اور معرکوں کا مذاق اڑاتے ہیں جو ہماری تاریخ کا قابل فخر سرمایہ سمجھے جاتے ہیں۔

وہ لوگ جن میں جہاد کرنے یا آزادی اور خودمختاری کے حصول کی ہمت نہیں وہ اپنی دیوسی کی توجیہ کے لیے فرسودہ دلائل تراشتے ہیں۔ دلائل بھی ایسے جو ہمارے دینی، ملکی اور عوامی روایات سے کوئی لگا نہیں کھاتے اور نہ ہی عقل انہیں مانتی ہے۔

افغانستان میں امریکی فوجیوں کی موجودگی سے متعلق اوباما کا فیصلہ کتنا معقول ہے؟

تحریر: ذبیح اللہ مجاہد

گزشتہ ہفتہ کے دوران امریکی صدر اوباما نے افغانستان سے 34ہزار امریکی فوجیوں کے انخلاء کا اعلان کیا، اسی اوباما نے سال 2009ء میں اپنے صدارتی انتخاب کے ابتدائی دور میں مزید 35ہزار امریکی فوجیوں کو افغانستان بھیجنے کا اعلان کیا تھا جس پر مغربی دانشوروں اور امریکی عسکری ماہرین نے اوباما کے اس اقدام کی مخالفت کی۔ اس وقت جب اوباما نے افغانستان میں امریکی فوجیوں کے سربراہ جنرل سٹینلی مکرستال کی تجویز پر مزید 35ہزار فوجیوں کے بھیجنے کا فیصلہ کیا تو کئی امریکی دانشوروں نے اوباما کے اس اقدام کو جان بوجھ کر امریکی فوجیوں کو موت کی وادی میں دھکیلنے کے مترادف قرار دیا۔

انٹرپریس سروس نیوز ایجنسی نے اوباما کی جانب سے مزید امریکی فوجیوں کو افغانستان بھیجنے کے حوالے سے کئی امریکی مبصرین سے رائے لی، واشنگٹن ڈی سی میں انسٹیٹوٹ پبلک اکوراسی (Institute for Public Accuracy) کا اجراء، ایک مشہور امریکی تجزیہ نگار نورمان سولومون (Norman Solomon) نے کہا تھا کہ میں نہیں سمجھتا کہ ہمارے حکمران کیوں جان بوجھ کر ہماری اولاد کو موت کی وادی میں دھکیلنا چاہتے ہیں، کیونکہ مزید فوجیوں کو افغانستان بھیجنا دیوانگی ہے اور یہ دیوانگی 2009ء میں ختم ہونی چاہیے تھی۔

اسی طرح اسی وقت مزید امریکی فوجیوں کو افغانستان بھیجنے کے فیصلے پر امریکی ٹی وی چینل C.N.N نے ایک سروے کا اہتمام کیا جس کے مطابق اوباما کے اس اقدام کے حق میں 39% اور مخالفت میں 59% لوگوں نے رائے دی۔ یہ تو اس وقت افغانستان میں امریکی فوجیوں کی موجودگی سے متعلق امریکہ کے سیاسی مبصرین اور عوام کی رائے تھی جس وقت دنیا کے 50 ممالک کی فوجیں افغانستان میں امریکہ کے شانہ بشانہ بھرپور قوت کے ساتھ موجود تھیں اور کچھ ممالک تو اسی وقت مزید فوجی بھیج رہے تھے۔

اب چونکہ افغانستان میں امریکہ سمیت دیگر اتحادی ممالک کی شکست اور ناکامی یقینی ہوگئی اور اسی وجہ سے کئی اتحادی ممالک وقت سے پہلے افغانستان سے اپنے فوجیوں کو نکال رہے ہیں اور کچھ 2014ء کے جولائی تک انخلاء مکمل کریں گے، اب سوال یہ ہے کہ جب گزشتہ 12 سال کے دوران امریکہ ڈیڑھ لاکھ فوجیوں کی موجودگی کے ساتھ بھی افغانستان فتح نہ کرسکا تو اب وہ ہارے ہوئے 16ہزار فوجیوں سے کس طرح کامیابی حاصل کرسکیں گے؟

یہ سوال بھی ہے کہ اس وقت اوباما کیوں مزید فوجیوں کو افغانستان بھیجنے پر مصر تھے؟ اگر مزید فوجیوں کو بھیجنا افغانستان میں ان کی کامیابی کے لئے مفید ثابت ہوسکتا تھا تو پھر اب کیوں واپسی کا راستہ اختیار کر رہے ہیں؟ اگر وہ یہ کہتے ہیں کہ جس مقصد کے لئے ہم نے وہاں فوج بھیجی تھی وہ ہدف حاصل کرلیا تو یہ دلیل افغانستان کے زمینی حقائق کے بالکل خلاف ہے کیونکہ اس وقت جب وہ مزید فوجی بھیج رہے تھے اور اب اس وقت جب واپس جارہے ہیں ان دونوں ادوار میں بڑا فرق ہے، اس وقت بہ نسبت اب مجاہدین کی کارروائیاں کم تھیں اور وہ دشمن کے خلاف دفاعی جنگ میں مصروف تھے مگر اب صورتحال یکسر تبدیل ہوچکی ہے اب مجاہدین اس وقت سے بہت منظم اور مضبوط ہوچکے ہیں، اب مزاحمت کی بجائے بڑے پیمانے پر دشمن پر حملہ آور ثابت ہورہے ہیں اور تابڑتوڑ حملے کر رہے ہیں، اب وہ دشمن کے بڑے، مضبوط اور محفوظ اڈوں پر موثر حملے کر رہے ہیں جس کے سامنے دشمن بے بس نظر آرہا ہے۔ اوباما کے اس دوغلی پالیسی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ مجاہدین کی عسکری کامیابی سے دماغی توازن کھو بیٹھا ہے اس لئے وہ افغانستان میں فوجیوں سے متعلق ایسے فیصلے صادر کر رہا ہے جو ان کے لئے نقصان دہ ثابت ہورہے ہیں، انخلاء کے بعد افغانستان میں ان چند ہزار فوجیوں کی موجودگی سے جنہوں نے شکست اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے اور ان کے حوصلے پست ہوچکے ہیں وہ کہاں ہاری ہوئی جنگ کی فتح حاصل کرسکتے ہیں حالانکہ وہ ڈیڑھ لاکھ فوجیوں کی موجودگی میں بھی فتح حاصل نہ کرسکے۔

افغانستان میں محدود پیمانے پر کچھ فوجیوں کی موجودگی سے اوباما کے درجہ ذیل مقاصد ہیں۔

الف: وہ چاہتاہے کہ اس اقدام سے افغانستان پر امریکی یلغار جو بارہ سال پہلے مختلف بہانوں سے شروع کیا تھا کے فوجی اور سیاسی مقاصد کے حصول کو مزید دوام بخشے۔

ب: امریکہ جو دنیا میں انسانی خون کے پیاسے اور قاتلوں کے نام سے مشہور ہے اس اقدام کے ذریعے جنگ زدہ افغانستان میں لگی ہوئی آگ کو اسی طرح جلنا چاہتاہے تاکہ وہ افغانوں سے اس جنگ کے ذریعے انتقام لے جنہوں نے افغانستان میں انہیں ناقابل تلافی جانی اور مالی نقصانات پہنچائے۔

ج: اوباما اس اقدام کے ذریعے اپنے پرانے حریفوں چین، روس اور ایران کو متنبہ کرنا چاہتاہے کہ امریکہ میں فوجی اور اقتصادی میدان میں مقابلے کی صلاحیت موجود ہے اور اس صلاحیت کی مثال افغانستان میں مستقل اڈوں میں چند ہزار فوجیوں کی موجودگی ہے۔

د: امریکہ چاہتاہے کہ اس طریقے سے وہ افغانستان کو بھی ان ملکوں کی لسٹ میں شامل کرے جہاں دوسری جنگ عظیم کے بعد امریکہ کے مستقل اڈے قائم ہیں اور ضرورت کے وقت امریکہ ان سے فائدہ اٹھاتاہے۔

یہ تو امریکہ کے مقاصد تھے جو ان محدود فوجیوں کی موجودگی سے افغانستان میں حاصل کرنا چاہتے ہیں مگر کیا افغانستان کی صورتحال اور حالات اس کے موافق ہیں کہ وہ ان چند ہزار فوجیوں کی موجودگی سے وہ مقاصد حاصل کرسکے؟ جواب واضح ہے کہ نہیں، کبھی بھی نہیں۔

امریکہ چاہتا تھا کہ یہ مقاصد اتحادیوں کی موجودگی میں حاصل کرسکے مگر خود امریکہ اور اتحادیوں نے مشاہدہ کیا کہ وہ اس مقصد میں بری طرح ناکام رہا۔ امریکہ کی سرپرستی میں شامل اتحادی ممالک اب سمجھ گئے کہ امریکہ نے افغانستان پر حملے میں ان کی فوجی قوت سے ناجائز فائدہ اٹھایا یہی وجہ ہے کہ اب وہ افغانستان میں مزید رہنے کے لئے کسی صورت میں بھی تیار نہیں۔

افغانستان کی مظلوم ملت بھی جو بارہ سال سے ترقی اور جمہوریت کے نام پر امریکہ کے وحشیانہ مظالم برداشت کررہی ہے اب وہ کسی صورت میں بھی امریکیوں کو مزید اپنے ملک میں برداشت نہیں کرسکتی۔

افغانستان کے ہمسایہ اور خطے کے دیگر ممالک بھی افغانستان میں امریکہ کی موجودگی کو اپنے لئے خطرہ سمجھتے ہیں اور یہ برداشت نہیں کرسکتے کہ اتنے نزدیک سے امریکہ ان کی سلامتی اور امن کے لئے خطرہ رہے۔

اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کہ نہ امریکہ کی فوجی اور اقتصادی قوت، نہ افغانستان کی زمینی صورتحال اور نہ ہی ہمسایہ ممالک کے حالات اس کے لئے موافق ہیں کہ امریکی فوجی مزید افغانستان میں قیام کرسکے۔

اگر امریکی عوام اور امریکی صدر بارک اوباما ان تمام زمینی حقائق اور صورتحال کے برخلاف ہٹ دھرمی کے ذریعے افغانستان میں اپنی جارحیت کو دوام دینا چاہتے ہیں تو یہ حقیقت میں اس جنگی جنون کو دوام دینے کے مترادف ہے جس سے وہ گزشتہ بارہ سال کے دوران سوائے ہزیمت کے اور کچھ حاصل نہ کرسکے بالاخر شکست ہی ان کی مقدر رہی۔

***

بقیہ: از مذاکرات کی مہم میں تیزی

مذاکرات کے لئے تیار نہیں ہے، امارت اسلامیہ نے امریکہ اور کابل انتظامیہ کی وہ تمام کوششیں سبوتاژ کیں جن پر انہوں نے بھاری اخراجات لگائیں اور کامیابی کے لئے پرامید تھے، ممکن ہے کہ مغرب یہ کوشش کرے کہ طالبان اور امریکہ کے درمیان مذاکرات کے بہانے افغانستان سے باعزت واپسی اختیار کریں اور رائے عامہ کو یہ تاثر دیں کہ طالبان کے ساتھ مذاکرات کامیاب ہونے کے بعد اب ہمیں افغانستان میں مزید رہنے کی ضرورت نہیں ہے مگر امارت اسلامیہ نے ان کی یہ کوششیں ناکام بنائیں اور چاہتی ہے کہ باموصد مذاکرات ہو مگر اس میں اسلام کا جھنڈا سرنگوں نہ ہو اور نہ ہی شہداء کا مقدس خون رائیگاں ہو، بین الاقوامی میڈیا نے امریکی بھاگ دوڑ کی یوں تصویر کشی کی ہے، افغانستان میں امریکہ کے سفیر نے کہاہے کہ امریکہ طالبان کے ساتھ مذاکرات کرنا چاہتاہے مگر ابھی تک اس حوالے سے پیشرفت نہیں ہوئی ہے۔ جیمز کنینگم نے کابل میں صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ افغانستان حکومت ضروری ہے کہ مذاکرات کا آغاز کرے اور ممکن حد تک مثبت نتائج برآمد کرے۔ گزشتہ سال مارچ میں طالبان اور امریکہ کے درمیان قطر میں مذاکرات شروع ہوئے مگر جلد التواء کا شکار ہوکر پیشرفت نہ ہوسکی، طالبان کا موقف سامنے سے سمجھنے کے لئے حال ہی میں فرانس میں کانفرنس منعقد کی گئی۔ کابل میں امریکہ کے سفیر نے کہا کہ اگر افغان حکومت اور طالبان کے درمیان مفاہمت نہ ہوئی تو 2014 کے بعد طالبان کے خلاف جنگ کی ذمہ داریاں افغان فورسز کے حوالے کی جائیں گی اور امریکی فوجی مزید سیکورٹی ذمہ داریاں نہیں سنبھال سکیں گے، امریکی سفیر کے اظہار خیال سے واضح ہوا کہ امریکہ خوف کا شکار ہے اور یہ عندیہ دے رہاہے کہ مذاکرات کے نام پر افغانستان سے باعزت واپسی کی راہ تلاش کرکے نکل جائے، مذاکرات کی لہر میں تیزی لانے کے مقصد کے پیچھے امریکی شکست کا پیغام موجود ہے اور وہ وقت دور نہیں کہ امارت اسلامیہ کے بہادر مجاہدین امریکہ سے شہداء اور یلغار کا انتقام لیکر ایک مرتبہ پھر اپنے ملک میں اسلام کا عادلانہ نظام نافذ کردیں۔

●●●

مذاکرات کی مہم میں تیزی

شکور شفیق

معلوم ہوتا ہے کہ امریکی استعمار فرار ہو رہا ہے، امریکہ کا غرور خاک میں ملانے کا وقت آگیا طالبان اور مجاہد قوم کے ہاتھوں اس کے غرور کی عمارت زمین بوس ہو گئی، الحمدللہ وہ وقت گزر گیا کہ لوگ B52 طیاروں کی ہیبت سے مرعوب تھے، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ تورابورا میں مجاہدین اور ان کے اہلخانہ کے بچوں اور خواتین پر ان طیاروں کے ذریعے ایسے وحشیانہ فضائی حملے کر رہے تھے کہ جن کی آواز سے دور، دور تک لوگوں کو تکلیف ہوتی تھی، ان دلخراش داستانوں کو سن کر مسلمانوں کے دلوں سے خون کے آنسو بہتے تھے، تورابورا پہاڑوں میں بچوں اور عورتوں کی چیخ و پکار نے انسانی ضمیر کو ہلا کر رکھ دیا، پھر جب بی۔52 کے ذریعے تورابورا کے اوپر سفید خط سے 8 لکھ دیا گیا یہ وہ وعدہ تھا کہ غیر ملکی دشمن کو بعض متوسط لوگوں کی جانب سے کہا گیا تھا کہ کل 8 بجے اس محاذ کے مجاہدین تسلیم ہو جائیں گے مگر بدقسمتی سے علاقے کے سفاک قاتل استعماری دشمن کے شانہ بشانہ جا رہے تھے اور مجاہدین کے خلاف دشمن کی مدد کر رہے تھے، اور نہ ہی شاہی کوٹ میں مجاہدین کے مضبوط مرکز پر قبضہ جمانے کے لئے ان کے پاس وہ قوت ہے جو شمالی اتحاد کے بسم اللہ جیسے نمک حرام عناصر اپنے امریکی رہنماوں کے تعاون سے پیش قدمی کریں، روز محشر اس پر فیصلہ ہوگا کہ کون اقتدار کی لالچ میں اسلامی نظام کے خاتمے میں کردار ادا کر رہے تھے اور کون لسانیت، قومیت اور صوبائیت کے نام پر اسلام کے ساتھ خیانت کے مرتکب ہو رہے تھے جو اسلام کی راہ میں رکاوٹ ڈال کر مغرب کے ہمنوا بنے ہوئے تھے، اللہ کی نصرت سے عنقریب کامیابی کی خوشخبری قوم سنے گی، مگر یہ عناصر پھر مظلوم عوام کو دھوکہ دینے کے لئے نئے نام سے سامنے آنے کی کوشش کریں گے، کوئی "رقص مردہ" اور کوئی "خراسان کلان" کے نام پر اپنی دکانداری چمکائیں گے، یہ عناصر جو اپنے ایمان اور ملک کے نام پر سودا کر رہے ہیں قوم انہیں ہرگز یہ اجازت نہیں دے گی وہ ایک مرتبہ پھر اپنے مغربی آقا کی ترجمانی کریں اور ملک کو ان کے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لئے استعمال کریں۔ جس طرح پہلے اس طرف اشارہ کیا گیا کہ امریکہ کرزئی کے مطالبے پر افغانستان میں اب مذید نہیں رہ سکتا، نہ ان کے پاس اتنے اخراجات کے لئے رقم موجود ہے، نہ ان کے فوجیوں میں مذید افغانوں کے ساتھ لڑنے کی سکت باقی رہی، نہ افغان قوم اور خطے کے ممالک انہیں مزید ایک دہائی یا ایک صدی لڑنے کی اجازت دیتے ہیں بلکہ ہر زبان پر ایک ہی بات چل رہی ہے کہ 2014 تک تمام امریکی فوجی افغانستان سے نکل جائیں گے اور وہ یہاں مزید نہیں ٹھہر سکیں گے۔

امریکی صدر اوباما نے حسب سابق اس دفعہ بھی انتخابات میں اس نعرے پر قوم سے رائے لیکر کامیابی حاصل کی کہ وہ منتخب ہو کر افغانستان سے فوجیوں کو واپس بلائیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ حامد کرزئی کے حالیہ دورہ امریکہ کے دوران اوباما کی ملاقات سے قبل وائٹ ہاوس کے ترجمان نے یہ اعلان کر کے کرزئی کی امیدوں پر پانی بہا دیا کہ امریکہ ان کی ہمیشہ حفاظت نہیں کر سکتا، میڈیا نے ترجمان کی خبر کو اس طرح شائع کیا کہ "ممکن ہے تمام فوجیوں کو افغانستان سے نکال دیں" کرزئی چاہتا ہے کہ امریکی فوجی شہروں اور دیہات سے نکل جائیں۔ وائٹ ہاوس کے ترجمان نے کہا کہ ممکن ہے 2014 کے بعد ایک امریکی فوجی بھی افغانستان میں نہ رہے، یہ باتیں اس وقت سامنے آئیں کہ جب افغان صدر اوباما سے ملاقات کے لئے امریکہ گئے۔ میڈیا کی رپورٹوں کے مطابق یہ ملاقات ایک ایسے وقت میں ہو رہی ہے کہ جب دونوں ملکوں کے درمیان ڈائیلاگ برقرار ہے۔

امریکہ سمیت تمام اتحادی ممالک کی فوجیں 2014 کے آخر میں افغانستان سے نکل جائیں گی۔ اتنی تیزی سے امریکی فوجیوں کے انخلاء کے عوامل بہت واضح ہیں اور ہر کوئی جانتا ہے کہ امریکی اور اتحادی فوجیوں کے حوصلے جواب دے چکے ہیں جبکہ اقتصادی لحاظ سے بھی افغانستان میں مزید رہنے کی سکت نہیں رکھتے لیکن امریکہ باعزت واپسی کی راہ تلاش کر رہا ہے کہ وہ اپنے عوام کے محاکے سے بچ جائے۔

مذاکرات کا ڈھنگ اور مفاہمت کی صدائیں ان کی جانب سے بڑی تیزی سے بلند ہو رہی ہیں اور اپنی میڈیا کے ذریعے بھی اس کی تشہیر کر رہے ہیں مگر مدمقابل امارت اسلامیہ نے یکسر مذاکرات سے انکار کر رہی ہے اور نہ غیر مشروط طور پر مذاکرات کے لئے تیار ہے۔ اور اپنے وضاحتی بیانات اور رد عمل میں کئی بار وضاحت کر چکی ہے کہ امریکہ کی موجودگی میں کسی کے ساتھ بھی

بقیہ صفحہ نمبر 40 پر ملاحظہ فرمائیں۔

ہاں! یہ وہی سحر ہے

محمد فرہاد جانباز

میں دیکھ رہا ہوں، مجھے نظر آرہا ہے۔ وہ بہت ہی صاف، شفاف اور روشن سویرا ہے۔ اس کی کرنیں ہر سو، اپنا دلچسپ فسوں پھیلائے دے رہی ہیں۔ شگوفے چٹک چٹک کر لہورنگ پتیوں والے گلاب پیدا کر رہے ہیں۔ ان کے دلکش اور جاذب نظر چہرے کے حسن کو تازہ قطرہ ہائے شبنم نے نکھار دیا ہے۔ وہ صبح، آزادی کی ہے۔ وہ سویرا غلامی اور جبر وستم کی ایک طویل رات ڈھل جانے کے بعد نمودار ہوا ہے۔ اسی اجلے دن کے طلوع کو دیکھ رہا ہوں۔

مجھے وہ روزِ دل خوش کن یوں ہی نظر نہیں آرہا ہے۔ بلکہ میرے سامنے افغانستان کی تاریخ جدوجہد کھلی پڑی ہے۔ جس کا ورق ورق بتا رہا ہے، افغانی قوم نے کبھی غلامی کے بدلے آزادی کا سودا نہیں کیا۔ اس کا ایک ایک پیرا اطلاع دے رہا ہے، باشندگان افغانستان نے کبھی کسی غاصب کو اپنی زمین پر چین کی ایک رات تک سونے نہیں دیا۔ جس کا ہر ہر جملہ خبر دے رہا ہے، اس آزاد منش ابنائے آدم نے کبھی طوق غلامی کے حلقے میں اپنی گردن نہیں دی ہے۔ اور جس کا ہر لفظ اور ہر حرف کہہ رہا ہے، باشندگان "خراسان" خداوندگانِ خاک تیرہ کو نیست و نابود کرنے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ میرے سامنے تاج برطانیہ کے ٹکڑے، سویت یونین کے ادھڑے بخئیے اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے اڑتے ہوئے چیتھڑہ ہائے شکست ہیں۔ انہی چیزوں نے میری دید کو وہ بینائی بخشی ہے جس سے میں وہ صبح روشن اور اُجلا دن دیکھنے کے قابل ہوا۔

7 اکتوبر 2001 کو شروع کی گئی بے نام جنگ کو انجام تک پہنچانے کے لئے "دو ہفتوں" کا نعرہ متکبرانہ بلند کیا گیا تھا۔ لیکن یہ جنگ شیطان کی آنت کی طرح لمبی ہو گئی ہے۔ امیدوں کی طرح طویل سے طویل تر ہوتی چلی جا رہی ہے۔ ظلم کا بدلہ دو جگہوں پر ملتا ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ امریکہ کو اس کے ستم ناروا کا بدلہ دنیا میں بھی ابتداء سے ہی ملنا شروع ہو گیا تھا۔ ایک رپورٹ کے مطابق 2001ء کے آخری پونے تین ماہ میں 12 فوجی واصل جہنم ہو گئے تھے۔ 2002ء میں ان کی تعداد 49 تک جا پہنچی تھی۔ جب کہ اگلے برس جانی نقصان کی شرح ایک عدد کم ہو کر 48 ہو گئی۔

2004ء میں طالبان نے زیادہ زور وشور سے کاروائیاں شروع کر دیں۔ جس کے نتیجے میں مرنے والے غاصب فوجی 52 ہو گئے تھے۔ 2005ء میں 99 تھے۔ جبکہ 2006ء میں ایک دفعہ پھر 2003ء والا کھلواڑ ہو گیا اور مرنے والوں کی تعداد 98 ہو گئی۔ 2007ء میں شرح اموات میں پھر اضافہ ہوا اور مرداروں کی تعداد 117 کے ہندسے کو چھونے لگی۔ آگے اس تعداد میں اضافہ ہی ہوتا رہا اور بالترتیب 2008ء میں 155، 2009ء میں 317، 2010ء میں 499، 2011ء میں 418 اور 2012ء میں 263 فوجی مردار ہوئے۔ واضح رہے یہ تعداد گروہ غاصبان میں صرف امریکن میرینز کی ہے۔ یہ رپورٹ 2012ء کے اختتام پر مغربی میڈیا کی طرف سے شائع کی گئی ہے۔ مغربی میڈیا کے طریقہ واردات کو مد نظر رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے۔ شائع شدہ تعداد یقینی اور پکی ہے۔ البتہ اس میں ایک مناسب اور مبالغے سے خالی تعداد کا اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ کیوں کہ وہ اپنے نقصان کو دنیا کی نگاہ سے پوشیدہ رکھنے کے لئے ہر جائز و ناجائز واردات کتمان کرتے رہتے ہیں۔ ایک اور حوالے سے یہ تعداد اس لئے بھی کم، بلکہ بہت ہی کم ہے کہ یہ صرف ان مردار امریکی فوجیوں کی تعداد ہے جن کے کٹے جلے اور بدبودار لاشے امریکہ پہنچ جاتے ہیں۔ کچھ عرصہ قبل ایک شائع شدہ رپورٹ میں اس جرم دانستہ کا انکشاف ہوا تھا، بعض وہ فوجی جو طالبان حملوں میں کام آجاتے ہیں۔ خرچے اور لاش کی منتقلی کی مصیبت سے بچنے کے لئے انہیں برقی بھٹیوں میں پھینک کر خاکستر کر دیا جاتا تھا۔ نہ رہے بانس، نہ بجے بانسری۔

اب جبکہ 2013ء شروع ہو کر آگے کی جانب رواں دواں ہے تو جنگ کا اختتام بھی قریب آتا جا رہا ہے۔ گزشتہ برس امریکی شہر شکاگو میں نیٹو ممالک نے ایک "سربراہ اجلاس" منعقد کر کے یہ فیصلہ کیا تھا کہ 2014ء کے اواخر تک اتحادی افواج کا افغانستان سے انخلاء کا عمل مکمل کیا جائے گا۔ جوں جوں مقررہ مدت قریب آتی جا رہی ہے، توں توں فیصلہ خروج پر عمل درآمد کے آثار پیدا ہوتے جا رہے ہیں۔ واشنگٹن کی جانب سے کیا گیا حالیہ اعلان انخلا اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ جس میں صدر اوباما نے 34 ہزار آرمی نکالنے کے علاوہ بقیہ تمام افواج کو وہیں رکھنے کا اعلان کیا ہے۔ لیکن فیصلہ خروج کو اعلان کے روپ میں دنیا کے سامنے لانے کے لئے پہلے قریب دو سال تک محنت کی گئی ہے۔ جنرل ڈیوڈ پیٹریاس کے بعد جان ایلن کو اسی کام کے لئے نیٹو کا کمانڈر مقرر کیا گیا تھا۔ امریکی حکومت کی اصل پریشانی یہ ہے کہ "طالبان واپس نہ آجائیں" ان کی راہِ واپسی میں روڑے اٹکانے اور رکاوٹیں کھڑی کرنے کے لئے افغان فوج، پولیس، اور اربکی پولیس کو وجود نا مسعود دیا گیا تھا۔ ان کے 19 ماہ کے دورانیے میں افغان افواج اور پولیس کو افغانستان بھر میں سیکورٹی کے انتظامات کی سپردگی کا عمل بہت حد تک تیز ہوا تھا۔ اور 34 ہزار افواج کو بھی اس لئے مقبرہ سپر پاورز میں چھوڑا جا رہا ہے جب انخلا مکمل ہو جائے تو طالبان واپسی کے لئے قدم اٹھانا نہ شروع کر دیں۔ وہ افغان فوج اور پولیس کو پریشان نہ کر سکیں۔ جنرل جان ایلن نے نئے کمانڈر جنرل جوزف ڈنفورڈ کی تعیناتی کی تقریب میں حقیقی مافی الضمیر کا گلا گھونٹ کر دعویٰ کی صورت میں اس بات کا اظہار کیا ہے، جو حقیقت سے یکسر مختلف

ہے۔ جنرل جان ایلن کو وائٹ ہاوس نے بطور سپریم کمانڈر نیٹو نامزدگی کا فیصلہ کیا تھا۔ مگر اب اطلاعات کے مطابق انہوں نے اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیا ہے اور بہانے کے طور پر اپنی اہلیہ کی "مستقل مزاج" بیماری کو جواز بنایا ہے۔ ادھر صدر اوباما نے ان کے استعفیٰ کو قبول کرنے کی تصدیق کردی ہے۔ یوں افغانستان کے شکست خیز محاذ سے دلبرداشتہ ہو کر مستعفی ہونے والے نیٹو کمانڈر کی تعداد میں بھرپور اضافہ دیکھنے میں آرہا ہے۔ انہوں نے کہا: وہ سمجھتے ہیں اتحادی افواج افغانستان میں طالبان کے خلاف فتح حاصل کرنے کی راہ پر گامزن ہیں۔ انہوں نے افغانستان سے مکمل انخلا کا امکان رد کرتے ہوئے کہا کہ امریکی فوج کا 34 ہزار کا فوجی دستہ یہاں موجود رہے گا۔ واضح رہے کہ اس وقت افغانستان میں ڈیڑھ لاکھ سے زائد اتحادی و امریکی افواج موجود ہیں۔ جن میں اکثریت امریکی فوجیوں کی ہے۔ جنرل جان ایلن نے کہا 2014ء کے بعد امریکی افواج کی افغانستان میں موجودگی، افغان حکومت، فوج اور پولیس کی تربیت، مشاورت اور امداد کے لئے ہوگی۔ مزید فلسفہ بگھارتے ہوئے کہنے لگے: "بغاوتیں کچلنے کے لئے وقت درکار ہوتا ہے اور یہ بہت مشکل ہوتا ہے کہ آپ کیلنڈر پر ایک نقطہ لگائیں اور کہیں کہ آج ہم جیتے ہیں"۔ ہمارے خیال کے مطابق کیلنڈر پر نکتہ لگانے والا زمینی حقائق کے مطابق فلسفہ دانش، سابق امریکی صدر بش کو بتادیا جاتا تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا اور نہ ہی وہ جھوٹ بولنا پڑتا جس کا ہم آگے تذکرہ کریں گے۔ اس کے بعد جنرل جان ایلن نے سپاہیانِ صلیب کو صبر کے کڑوے گھونٹ پینے کا مشورہ دیا ہے۔ (یہ الگ بات ہے کہ اس کا پھل اور ثمر بھی کڑوا ہی ہوگا۔) اور نیٹو کو ہر وقت افغان فوج کی مدد کے لئے تیار رہنا ہوگا۔ جب کہ جنرل ایلن نے سفید جھوٹ بولتے ہوئے کہا کہ اتحادی افواج نے طالبان کی جانب سے جاری بغاوت پر قابو پانے کے لئے بہت آگے جا کر حالات پیدا کئے ہیں۔

چہ دلاور است دزدے کہ چراغ بہ کف دارد! ساری دنیا جانتی ہے کہ امریکہ شکست کھا گیا ہے۔ اسی لئے "باعزت فرار" کے لئے سامان حرب کی منتقلی شروع کردی ہے۔ ادھر ایلن جی کس دیدہ دلیری کے ساتھ اپنی بھونڈی راگنی بجا رہے ہیں کہ اتحادی افواج افغانستان میں طالبان کے خلاف فتح حاصل کرنے کی راہ پر گامزن ہیں۔ اور انہوں نے طالبان کی جانب سے جاری "بغاوت" پر قابو پانے کے لئے بہت آگے جا کر حالات پیدا کئے ہیں۔

بہر حال! یہاں اصل بات جو زیر بحث آنی چاہیے وہ یہ ہے کہ امریکہ کو خروج پر مجبور کرنے والی طاقت کون ہے؟ اور جنرل جان ایلن کے بیان میں کتنی حقیقت اور کتنا فسانہ ہے؟ اس کا جائزہ لینے کے لئے ہمیں مصدقہ خبروں اور حقائق کے آئینے میں مذکورہ بالا دونوں سوالوں کا عکس دیکھنا ہوگا۔

جنرل جان ایلن کے فتح کے اعلان پر مبنی بیان کے دوسرے ہی روز یہ خبر آئی تھی کہ مجاہدین نے صوبہ پکتیا کے ضلع زرمت میں امریکی فوج کے کمپاؤنڈ پر مسلسل اور لگاتار حملے کئے تھے۔ جس کے نتیجے میں غاصب امریکی کمپاؤنڈ سمیت پورے ضلع زرمت سے فرار ہوگئے اور فوجی مرکز کٹھ پتلی فوج کے حوالے کردیا گیا۔ جب کہ زرمت کے ایک باشندے کے بقول کرزئی کے فوجی ابھی ہی سے بہت زیادہ گھبراہٹ اور خوف محسوس کررہے ہیں کہ طالبان آگئے تو ہمارا کیا بنے گا؟ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ وہ فوجی طالبان کے ایک حملے کی بھی تاب نہ لاسکیں گے۔

یہاں یہ امر واضح رہے کہ افغانستان کی کٹھ پتلی فوج میں اکثر وہی لوگ بھرتی ہوئے تھے، جو خانہ جنگی کے زمانے میں ڈاکوؤں، لٹیروں اور راہزنوں کے کارندے تھے۔ اور عہدوں پر شمالی اتحاد کے جنگجو کمانڈر اور خانہ جنگی کے دور کے سرداران طائفہِ دزداں تھے۔ اسی لئے انہی جیسے گندے کردار کے حامل رشوت خور اور پرانے قاتل "بسم اللہ محمدی" کو ان سب کا عمومی سربراہ نامزد کردیا گیا تھا۔ جب کہ دلچسپ اور مزے کی بات یہ ہے کہ اسی کے دور حکومت میں ریکارڈ فوجی و پولیس اہلکار طالبان کے ہاتھوں ہلاکت سے دوچار ہوئے تھے۔ جبکہ احمد شاہ مسعود اور سی آئی اے کے درمیان رابطہ کار اور سی آئی اے کے پروفیشنل لاڈلے "امر اللہ صالح" کے مطابق بسم اللہ محمدی کے زمانے میں صرف تین مہینوں میں 2 ہزار پولیس اہلکار موت کے منہ میں چلے گئے۔

بہر کیف! حال ہی میں صوبہ ہلمند کے ضلع سنگین، گریشک، موسی قلعہ، قندھار کے اضلاع میوند، خاکریز، ژڑی، لوگر کے برکی برک اور پکتیا کے زرمت سمیت شمالی صوبوں میں موجود بڑے بڑے ہیڈ کوارٹرز کو امریکیوں اور اتحادیوں نے خیر باد کہہ دیا ہے۔ وہاں سے نکل جانے کے پس پردہ بات یہ نہیں کہ انہوں نے اختیارات افغان فوج کو تفویض کردیئے ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کسی طریقے سے جان کی امان ملی رہے تا آنکہ ہم اپنے گھروں کو لوٹ جائیں۔ میں سمجھتا ہوں یہاں اس بات کی وضاحت ضروری نہیں ہے کہ جب امریکی طالبان کے حملوں کی تاب نہیں رکھتے تو افغان کٹھ پتلی یہ حوصلہ کہاں سے لے آسکیں گے؟

ادھر مغربی جریدے "نیوز ویک" کے مطابق 24 ہزار افغان فوجی، فوج چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔ جب کہ جو طالبان سے مل جاتے ہیں ان کی تعداد علیحدہ ہے۔ نیوز ویک نے تجزیہ کرتے ہوئے مزید کہا ہے اگر یہی صورتحال رہی تو طالبان جلد ہی 7 اکتوبر 2001ء سے پہلے والی پوزیشن پر واپس آجائیں گے۔ دوسری جانب انخلا شروع ہونے سے مجاہدین کو نیا حوصلہ اور ولولہ ملا ہے کہ ان کی کوششیں ثمر آور ثابت ہوئیں۔ اس لئے امارت اسلامیہ نے انخلا کو فوج کی تعداد میں کمی کرنے سے تعبیر کرتے ہوئے اپنے اعلامیے میں واضح کیا ہے کہ مغربی ممالک کو اب یہ سمجھ آیا ہوگا کہ افغانستان میں اس رسوا کن، طویل المدت اور بے مفہوم جنگ سے، جس نے حقیقتاً امریکہ اور دیگر متکبر ممالک کو بڑے چیلنجز اور بحرانوں سے دوچار کیا ہے، خود کو نکال لیں۔ اس جنگ میں ہزاروں فوجی ہلاک، اپاہج اور نفسیاتی امراض میں مبتلا ہوئے ہیں۔ کھربوں ڈالر ضائع ہوئے۔ جارحیت میں ملوث ممالک کی معیشت تباہ ہوئی اور لوگوں کو فقر و افلاس اور بے روزگاری کا سامنا کرنا پڑا۔ اب وقت آن پہنچا ہے امریکی صدر سمیت تمام استعماری ممالک اس ناقابل فتح جنگ کو ترک کردیں۔۔۔۔

بقیہ صفحہ نمبر 20 پر ملاحظہ فرمالیں۔

نمبر شمار	صوبہ	کارروائیوں کی تعداد	فدائی حملے	دشمن کے مالی اور جانی نقصانات: صلیبیوں کی اموات	صلیبیوں کے زخمی	اجنٹوں کی ہلاکتیں	اجنٹوں کے زخمی	فوجی گاڑیوں اور ٹینکوں کی تباہی	عام شہریوں اور مجاہدین کی جانی نقصانات: مجاہدین کے شہداء	مجاہدین کے زخمی	گاڑیوں کی تباہی
-1	قندہار	88		34	18	88	30	43			
-2	ہلمند	122		50	39	179	111	61	17	12	
-3	غزنی	20		9	7	16	10	2	1	1	
-4	خوست	25		1	4	22	20	8			
-5	نورستان	5				5	11	2	2	1	
-6	میدان وردگ	14		17	4	8	7	5		1	
-7	کونڑ	45		7	2	42	46	5			
-8	پکتیکا	5		2	3	1	1	1			
-9	زابل	15				29		22	1		
-10	لوگر	16		5	2	20	19	5			
-11	کاپیسا	8	1	18	5	4		2	2		1
-12	روزگان	20				14	17	7	1		
-13	پکتیا	7		1		2	3	2			
-14	فراہ	8		10		8	12	1			
-15	کابل	9	1	15		18	33	3	2		1
-16	ننگرہار	42		5	4	38	46	8	1		
-17	لغمان	46		2		51	52	8	1		
-18	ہرات	28		10		29	18	12	2	1	
-19	نیمروز	18				30	15	13			
-20	بادغیس	20		4	5	37	18	6	2		
-21	قندوز	2									
-22	بغلان	2						1			
-23	فاریاب	10				12	8	6		1	
-24	غور	1									
-25	پروان	4				7	5				
-26	تخار										
-27	سمنگان										
-28	بدخشان	1					1				
-29	بامیان										
-30	بلخ	2				1	2	1			
-31	جوزجان	3					5				
-32	دائی کنڈی	4				13	7	2	1	1	
-33	سرپل	3				5	3	1			
-34	پنج شیر										
	مجموعہ	**593**	**2**	**190**	**93**	**679**	**500**	**227**	**33**	**18**	**2**

دشمن کے گرائے جانے والے طیارے: 1- ہرات میں ڈرون طیارہ 2 – قندہار میں ایک ڈرون طیارہ۔ 3 –لوگر میں ایک ڈرون طیارہ 4 – کونڑ میں ایک ہیلی کاپٹر 5 – ننگرہار میں ایک ہیلی کاپٹر 6 – ایک ڈرون

فرمان امیرالمؤمنین

ملا محمد عمر مجاہد حفظہ اللہ

امارت اسلامیہ حصول تعلیم کو اپنی قوم کی دنیاوی ترقی اور اخروی سعادت کا باعث گردانتی ہے، آپ کو معلوم ہوگا کہ امارت اسلامیہ نے اپنے دور اقتدار میں بجٹ کا بڑا حصہ تعلیم کے لئے مختص کر رکھا تھا اور آج بھی اپنی تشکیلوں میں تعلیم اور تربیت کے لئے خصوصی کمیشن بنا رکھے ہیں تاکہ اپنی عوام کو تعلیمی سہولیات فراہم کی جاسکیں۔ لیکن بارہا دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض اسکول بند کر دیے جاتے ہیں، کچھ کو جلادیا جاتا ہے یا طلبہ پر زہریلا مواد استعمال کرکے مجاہدین کے سر تھونپ دیا جاتا ہے، درحقیقت یہ کام شکست خوردہ دشمن کی خفیہ سازشوں کی ایک کڑی ہے، جو مجاہدین کو بدنام کرنے کے لئے بروئے کار لائی جاتی ہیں۔

ہم خواتین کو اسلامی اصولوں، قومی مفادات اور اپنی شرعی ثقافت کے مطابق تمام حقوق دینے کے لئے کمربستہ ہیں۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ قابض قوتوں کی آمد کے ساتھ ہی افغان عوام خصوصاً خواتین کو بہت سے مصائب اور تکالیف برداشت کرنا پڑے ہیں، یہاں تک کہ کئی خواتین مظالم سے تنگ آکر خود کو جلا بیٹھیں، اور بعض مظلوم خواتین کو انتہائی بے دردی سے شہید کیا گیا، ان کی عزتیں پامال کی گئیں، اور آج بھی یہ جبر مسلسل رکنے میں نہیں آرہا ہے۔ جبکہ امارت اسلامیہ کے دور میں افغان خواتین پرامن زندگی بسر کر رہی تھیں اور ان تمام مصائب سے محفوظ تھیں۔

SHARIAT

Monthly Islamic Magazine

1st Year   March 2013

آسیا یک پیکر آب و گل است   ملت افغان در آن پیکر دل است

از گشاد او گشاد آسیا   از فساد او فساد آسیا

علامہ اقبالؒ